ہندوستانی مسلمان

پبلیکیشنز ڈویژن

www.taemeernews.com

ہندوستانی مسلمان

پبلیکیشنز ڈویژن
وزارت اطلاعات ونشریات
حکومتِ ہند

www.taemeernews.com

ستمبر۔ ۱۹۶۸ء
بھادر۔ آشون سمت ۱۸۹۰

"Muslims in India"

(URDU)

NOT FOR SALE

پبلشر :- ڈائرکٹر پبلیکیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی۔
پرنٹر :- سٹار پبلیکیشنز، ۲۷۱۵۔ دریا گنج۔ دہلی ۶

www.taemeernews.com

فہرست عنوانات

پہلا باب	ہندوستان کی زندگی کا حصہ	صفحہ ۵
دوسرا باب	ملک میں باعزت جگہ	۱۷
تیسرا باب	اُردو فارسی اور عربی کی تعلیم	۲۳
چوتھا باب	مسلمانوں کے ادارے	۳۰
پانچواں باب	ہندوستان میں اسلام کا ارتقاء	۳۶
چھٹا باب	اسلامی فنِ تعمیر	۴۴
ساتواں باب	مسلمانوں کے تہوار	۴۸
ضمیمہ	خاص دستوری تحفظات	۵۳

www.taemeernews.com

پہلا باب

ہندوستان کی زندگی کا حصہ

بہت سے دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی مختلف نسلوں کے لوگ اور مختلف مذہبوں کے ماننے والے آباد ہیں۔ ہندوستان کی گزشتہ پانچ ہزار سال کی تاریخ سے ہم واقف ہیں۔ اس طویل مدت میں برصغیر میں بسنے والے مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ آپس میں گھل مل گئے ہیں اور اُن کی اپنی انفرادی خصوصیتوں کے باوجود کثرت میں وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ الگ الگ خصوصیتوں کے حامل ہونے کے باوجود سبھی ہندوستانی ہیں۔ مادرِ وطن میں امن وسکون رہے، یہ خوش حال ہو اور ترقی کرے اس مشترک جذبے نے سبھوں کو ایک دور میں باندھ دیا ہے۔

آج ہندوستان میں جو لوگ بستے ہیں انھیں کئی زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ علاقائی لحاظ سے ان پر نظر ڈالی جا سکتی ہے اور لسانی، سیاسی، معاشی اور مذہبی لحاظ سے بھی۔ لیکن اس کتابچے میں ہندوستان کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصے یعنی پانچ کروڑ مسلمانوں کے ماضی اور حال پر نظر ڈالی گئی ہے۔ مسلمان ملک کی دوسری سب سے بڑی مذہبی جماعت ہیں۔

نسلی لحاظ سے ہندوستان کے ہر حصے کے مسلمانوں کا تعلق اسی نسل سے ہے جس سے ملک کی بقیہ آبادی کا ہے۔ اُن کا گوشت پوست اور خون ایک ہے۔ اس وجہ سے ملک کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں اور اُن کے آس پاس کے رہنے والے غیر مسلموں میں گہرے روابط قائم ہیں۔ ایک غیر ملکی مبصر کے لئے ایک بنگالی مسلمان اور بنگالی ہندو میں تمیز کرنا ناممکن ہوگا۔ یہی بات دہلی اور دوآبہ کی دوسری پرواقع پنجاب پر بھی صادق آتی ہے۔ یہاں بھی مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز ناممکن ہے

www.taemeernews.com

اور صرف پنجاب اور بنگال ہی پر کیا منحصر ہے۔ ملک کے مشرقی سرے پر واقع آسام اور جنوبی سرے پر واقع کیرالہ کے لئے بھی یہ بات اتنی ہی صحیح ہے یہ علاقے ملک کے دو کناروں پر واقع ہیں اور یہاں مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں۔

لیکن اس سے قطع نظر تاریخی عمل نے ملک کے وسطی حصوں جیسے دلی، حیدرآباد اور لکھنؤ، اور دوسرے بڑے بڑے شہروں جیسے بمبئی اور کلکتہ میں مسلمانوں کے تہذیبی مراکز قائم کر دیئے ہیں۔ ان جگہوں پر بھی مسلمان آبادی کے بقیہ حصے کے ساتھ اپنے قابلِ فخر ورثے میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ لکھنؤ کے غیر مسلم باشندے تہذیب و شرافت اور درباری آداب و رسوم کی ان روایتوں پر جو اودھ کے مسلم نوابوں نے اپنے پیچھے چھوڑی ہیں آج بھی اتنا ہی فخر کرتے ہیں جتنا کہ مسلمان۔ اسی طرح دہلی کا لال قلعہ جو مغل فرماں رواؤں کی شوکت و عظمت کا مرکز اور نشان رہا ہے اور اسی وجہ سے تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا مرکزِ نگاہ بنا رہا ہے۔ آج بھی قومی جذبات کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اور ہر سال اس جگہ یوم آزادی کی تقریب بڑی شان و شوکت سے منائی جاتی ہے۔

سرہند، اجمیر، دہلی اور گلبرگہ میں مدفون مسلمان بزرگوں کی زیارت کے لئے تقریباً ساری دنیا کے مسلمان آتے ہیں۔ یہاں کے ہندو اور سکھ باشندے اُن کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور اس اظہارِ عقیدت میں شامل ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی روایات ایسی ہی رہی ہیں اور ہر انسان دوست آدمی کی دلی خواہش ہوگی کہ یہ روایتیں اسی طرح باقی رہیں۔

اسلامی دنیا میں جگہ

دنیا میں اسلامی زندگی اور تہذیب کے تین سب سے بڑے مرکزوں میں سے ہندوستان ایک ہے۔ دنیا کے صرف دو ملکوں میں ہندوستان سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی

www.taemeernews.com

آبادی سب سے زیادہ ہے اور ۹ کروڑ کے قریب ہے۔ پاکستان دوسرے نمبر پر ہے۔ اس کی مسلم آبادی ۸ کروڑ ۳۰ لاکھ ہے۔ ہندوستان کا نمبر تیسرا ہے اور یہاں تقریباً ۷ کروڑ مسلمان ہیں۔ دوسرے ملکوں میں مسلمانوں کی آبادی نسبتاً بہت کم ہے۔ ترکی میں دو کروڑ ۸۰ لاکھ، مصر میں دو کروڑ ۳۰ لاکھ، ایران میں ایک کروڑ ۷۰ لاکھ اور افغانستان میں ایک کروڑ سے کچھ زائد مسلمان بستے ہیں۔ سعودی عرب میں مسلمانوں کی تعداد ۷۰ لاکھ ہے، اور عراق کی مسلم آبادی بھی اتنی ہی ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی تین کروڑ پچاس لاکھ سے بڑھ کر ۵ کروڑ ہو گئی ہے۔ یعنی ان کی آبادی میں ۴۳ فیصد کا اضافہ ہوا جو کہ ملک کی عام آبادی کے شرح اضافے سے کہیں زیادہ ہے۔

دستوری تحفظات

ہندوستان کا دستور ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ کو نافذ ہوا۔ اس میں مسلمانوں اور دوسرے شہریوں کو سیاسی، مذہبی، سماجی اور معاشی آزادی دی گئی ہے (دیکھئے ضمیمہ) اس کے تحت ہر شہری قانون کی نظروں میں برابر ہے۔ اور مذہب، نسل، ذات، جنس یا جائے پیدائش کی بنیاد پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا ہے اور سرکاری ملازمتوں کے بارے میں یکساں مواقع کی ضمانت دی گئی ہے۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے جداگانہ انتخاب کو ختم کر دیا گیا ہے۔ جداگانہ انتخاب کی وجہ سے آپس میں پھوٹ پیدا ہوئی اور غیر ملکی حکومت کے آخری دور میں صحت مند قومیت پروان نہ چڑھ سکی۔ اب لوگ ووٹ مذہب کے نام پر نہیں دیتے بلکہ امیدوار کی لیاقت کو مدنظر رکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کس حد تک ملک کی خدمت کر سکتا ہے اور اس کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

www.taemeernews.com

مہاتما گاندھی کی قیادت میں ہندوستان کی آزادی کی جدّوجہد ایشیا کی تاریخ میں ہمیشہ ایک ممتاز اور منفرد واقعہ بنی رہے گی۔ اُن کی وجہ سے ہی ہم ایسا دستور بنا سکے۔ مہاتما گاندھی نے اہنسا اور ستیہ گرہ کے غیر معمولی ہتھیاروں کو استعمال کر کے بغیر کسی خون خرابے کے ملک کی آزادی حاصل کی۔ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر بارہا انہوں نے اپنی زندگی خطرے میں ڈالی اور اس مقصد کے لئے تقسیم ہند کے بعد ہی وہ شہید کر دیئے گئے۔

نئے ہندوستان کی عمارت ایک مضبوط بنیاد پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس تعمیر میں ہندو مسلم اتحاد کو نہایت اہم جگہ دی گئی ہے۔ اس ڈھانچے کو شری جواہر لال نہرو نے استحکام بخشا۔ انھوں نے بار بار اعلان کیا تھا کہ وہ صرف اسی حالت میں ملک کے وزیر اعظم رہیں گے جب کہ تمام ہندوستانیوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے۔ اس بیس سال کے عرصے میں متعدد مسلمانوں نے دوسرے ہندوستانیوں کے ساتھ پاکستانی اور چینی حملوں کے دوران اپنے خون سے اس کی آبیاری کی ہے۔

چند ممتاز مسلمان

ہندوستانی جمہوریہ کے مسلمان شہری آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اعلا عہدوں پر فائز ہیں انھیں شہرت اور عزت ملی ہے۔ ملک کے تمام شہریوں کے لیے جو مواقع موجود ہیں اس سے انھوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ مادرِ وطن کی خدمت کے لئے وہ اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں۔

ہندوستان کا دستور بنانے والی دستور ساز اسمبلی میں مسلمان ممبروں کی تعداد ۴۵ تھی۔ ایک ممبر سر محمد سعداللہ خاں دستور کی ڈرافٹنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ بہت سے مسلمان پارلیمنٹ اور ریاستی مجالس قانون ساز کے ممبر ہیں۔

آزادی کے بعد ہندوستان کی عوامی زندگی میں جن مسلمانوں نے نمایاں اور قابل ذکر

www.taemeernews.com

حصہ لیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام قابل ذکر ہے۔ ذاکر صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اور بعد میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے۔ پھر بہار کے گورنر ہوئے اور ۱۹۶۲ء تک بہار کے گورنر رہے۔ ۱۹۶۷-۱۹۶۲ء کے دوران جمہوریہ ہند کے نائب صدر اور راجیہ سبھا کے چیئرمین رہے اور پھر مئی ۱۹۶۷ء کو صدر جمہوریہ منتخب کئے گئے جو ملک کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔

ہند کے سابق وزیر خارجہ مسٹر محمد علی کریم چھاگلہ بمبئی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے۔ پھر وہ امریکہ میں سفیر اور برطانیہ میں ہندوستان کے ہائی کمشنر بنائے گئے۔ مرکزی کابینہ کے ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ راجیہ سبھا کے "لیڈر آف دی ہاؤس" بھی تھے۔ وہ اقوام متحدہ میں اہم مباحثوں میں ہندوستان کے نمائندے کے طور پر حصہ لیتے رہے۔ جناب فخرالدین علی احمد مرکزی کابینہ میں وزیر ہیں۔ پروفیسر ہمایوں کبیر بھی کئی سال تک مرکزی کابینہ میں وزیر رہ چکے ہیں۔ ہندوستان کو اپنے سپوتوں پر ناز ہے ان میں ایک مولانا ابوالکلام آزاد بھی ہیں۔ وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کا نام اب بھی تقریباً ہر شخص کی زبان پر ہے۔ آپ کئی بار کانگرس کے صدر ہوئے۔ اور آخری وقت تک مرکزی کابینہ میں تعلیمات اور سائنسی تحقیقات جیسے اہم شعبہ جات کے وزیر رہے۔ جناب رفیع احمد قدوائی مرحوم بھی مرکزی کابینہ کے اہم وزیروں میں سے تھے۔ وہ کئی برسوں تک مرکزی حکومت کے وزیر رہے اور ایک کامیاب وزیر خوراک کی حیثیت سے انہوں نے بڑی شہرت پائی۔ جناب آصف علی مرحوم امریکہ میں ہندوستان کے پہلے سفیر تھے۔ بعد میں وہ اڑیسہ کے گورنر بنائے گئے۔ ایک دوسرے مسلمان سراکبر حیدری آسام جیسے سرحدی صوبے کے گورنر رہے۔ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نواب علی یاور جنگ امریکہ میں ہندوستان کے سفیر نامزد کئے گئے ہیں ـــــ حافظ محمد ابراہیم پنجاب کے اور جناب مہدی نواز جنگ گجرات کے گورنر تھے۔ کشمیر کے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق ہیں۔ دوسری ریاستوں میں ۳۰ کے قریب مسلمان وزیر

www.taemeernews.com

اور نائب وزیر ہیں۔

وزارتِ خارجہ اور سفارتی سروسز میں بھی مسلمانوں کو مناسب نمایندگی حاصل ہے۔ ڈاکٹر سید محمود کئی برسوں تک وزارتِ خارجہ میں منسٹر آف اسٹیٹ کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ جناب محمد علی کریم بھائی چھاگلہ کچھ عرصہ پہلے تک ہمارے وزیر خارجہ تھے۔ دریائے سندھ کے پانی سے متعلق ہندوستان کی جانب سے اس نازک اور اہم معاملے میں گفت و شنید کرنے والے حافظ محمد ابراہیم تھے جو اس وقت وزیر آبپاشی اور بجلی تھے۔ بہت سے اہم ہندوستانی مشنوں کے سربراہ مسلمان تھے اور اب بھی ہیں۔

وزارتِ خارجہ اور غیر ملکوں میں واقع سفارت خانوں میں بہت سے مسلمان اعلا عہدوں پر فائز ہیں۔ اقوام متحدہ اور اس سے متعلق تنظیموں میں بھی بہت سے مسلمانوں نے ہندوستان کی نمایندگی کی ہے۔

عدلیہ میں بھی مسلمانوں کو معقول نمایندگی حاصل ہے۔ کئی مسلمان ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ کے جج رہے ہیں اور مسٹر ہدایت اللہ ان دنوں ہندوستان کے چیف جسٹس ہیں۔ بہت سے مسلمان ہندوستان کی مختلف ہائی کورٹوں میں جج رہے ہیں۔ مسٹر خلیل احمد اڈیشنل کورٹ کے چیف جسٹس تھے اور مسٹر فضل علی پٹنہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے۔

فوج کے محکمے میں بھی مسلمانوں کو اعلیٰ جگہوں پر مامور کیا گیا ہے۔ آزادی کے فوراً بعد نوشہرہ کے محاذ پر بریگیڈیر محمد عثمان وہاں متعین ہندوستانی افواج کے کمانڈر تھے۔ وہ دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مادرِ وطن پر نچھاور ہو گئے۔ ابھی حال میں حولدار عبدالحمید نے پاکستانی حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا اور بہادری کا سب سے بڑا اعزاز "پرم ویر چکر" حاصل کیا۔

جناب این۔ ایل احمد یونین پبلک سروس کمیشن کے ممبر ہیں جو کہ آل انڈیا اور مرکزی سروسز

کے لئے امیدواروں کا انتخاب کرتی ہے۔ پہلے جناب اے ایے فیضی، جناب ایس ایچ خیرادر جناب جمّاد حسین یونین پبلک سروس کمیشن کے ممبر رہ چکے ہیں۔ ریاستوں کے پبلک سروس کمیشن میں بھی مسلمان ممبران ہیں۔

سیاسی زندگی

ملک کے سیاسی معاملات میں ہندوستان کے مسلم شہری موثر آواز رکھتے ہیں۔ مسلم صحافیوں کو آزادی تحریر کی وہی اجازت ہے جو دوسروں کو ہے۔ ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں مسلمانوں کے اپنے روزنامہ نکلتے ہیں۔ مسلم اوقاف کی جائیدادیں برقرار ہیں اور اُن کے انتظام و انصرام کے معاملے میں مسلمانوں کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ حتیٰ کہ آل انڈیا مسلم لیگ بھی جس نے ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا۔ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے موجود ہے اور کام کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں قدرتی طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کو تقسیم ہی کیوں کیا گیا اور اس افسوسناک واقعے کے بعد ملک میں میل ملاپ اور یکجہتی کا ایک نیا دور کس طرح شروع ہوا؟

آزادی کی جدوجہد میں حصّہ

ملک کو غلامی سے نجات دلانے میں مسلمانوں نے بڑا نمایاں اور قابل ذکر حصّہ لیا ہے۔ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی جسے انگریزوں نے غدر کا نام دیا تھا آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کے نام پر لڑی گئی۔ اُن کے جھنڈے تلے ہندو اور مسلمانوں نے مِل کر یہ جنگ لڑی تھی۔ مولوی احمداللہ شاہ، صاحبزادہ فیروز شاہ، اور خان بہادر خاں، جنرل بخت خاں اور ایسے رہنماؤں نے حضرت محل اور رانی لکشمی بائی جھانسی کے شانہ بہ شانہ اس جنگ میں حصّہ لیا۔

۱۸۸۵ سے ۱۹۴۷ کے دوران میں انڈین نیشنل کانگرس کے جھنڈے تلے آزادی کی

جو ۹۲ سالہ جنگ لڑی گئی اس میں بھی مسلمانوں کا حصہ کسی طرح غیر اہم نہیں ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے رہنما جنگ آزادی کی جدوجہد میں پیش پیش رہے تھے جس کی قیادت بعد میں مہاتما گاندھی نے کی۔

کانگرس کے قیام کے آغاز سے ہی ہندوستانی مسلمانوں نے اس تنظیم میں بڑا نمایاں اور اہم حصہ لیا۔ جناب بدرالدین طیب جی نے ۱۸۸۷ء میں مدراس میں کانگرس کے تیسرے سالانہ اجلاس کی صدارت کی تھی۔ کانگرس کا بارہواں سالانہ اجلاس ۱۸۹۶ء میں کلکتہ میں ہوا تھا۔ جس کی صدارت جناب رحمت اللہ سیانی نے کی تھی۔ انتیسواں سیشن ۱۹۱۳ء میں کراچی میں نواب سید محمد بہادر کی زیر صدارت ہوا تھا۔ بمبئی کے ۱۹۱۸ء کے خاص سیشن کی صدارت مسٹر حسن امام نے کی تھی۔ حکیم اجمل خاں سینتیسویں اجلاس کے صدر تھے جو ۱۹۲۱ء میں احمد آباد میں ہوا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۲۲ء میں دہلی میں کانگرس کے خاص سیشن کی صدارت کی تھی۔ کانگرس کا انتالیسواں اجلاس کوکناڈا میں ۱۹۲۳ء میں ہوا جس کے صدر مولانا محمد علی تھے۔ مدراس میں تینتالیسواں سیشن ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی صدارت میں ہوا تھا اور ۱۹۴۰ء میں مولانا آزاد نے رام گڑھ میں منعقدہ ۵۳ ویں اجلاس کی صدارت کی تھی۔ اس کے بعد مولانا آزاد پھر کانگرس کے صدر ہوئے۔

یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ نئے ہند کی تعمیر میں مسلمانوں نے بہت نمایاں حصہ لیا ہے مولانا آزاد نے ہی صدر کانگرس کی حیثیت سے برطانوی وزارتی مشن سے ہندوستان کی آزادی کی بات چیت میں ہندوستان کی نمایندگی کی۔ ان بڑے بڑے رہنماؤں کے علاوہ لاکھوں کی گنتی میں عام مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جنگ کی اور مادر وطن کے لئے ہر قسم کے دکھ جھیلے۔

پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔ انگریزوں کی پالیسی

چوں کہ ۱۸۵۷ء میں آزادی کی پہلی جنگ دہلی کے مغل بادشاہ کے جھنڈے تلے لڑی گئی تھی اس لئے برطانوی حکمرانوں نے پہلے پہل ارادتاً مسلمانوں کی طرف بڑا سخت رویہ رکھا اور اس بات کی کوشش کی کہ ملک میں اُن کو غیر موثر بنا دیا جائے۔ بعد میں انھوں نے ہندوستان کی آبادی کے مختلف طبقوں میں پھوٹ ڈالنے کی اور اختلاف پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی یہ پالیسی جان بوجھ کر بنائی گئی۔ اور برطانوی افسروں نے اس پالیسی پر سختی سے عمل کیا۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں انگریزوں نے میونسپلٹیوں وغیرہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات کا طریقہ رائج کیا۔ اس کا یہ مضر اثر ہوا کہ کچھ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ مسلمان دیگر ہندوستانیوں سے الگ ایک علیحدہ قوم ہیں ان رجحانات کو ہوا دینے کے لئے مسلمانوں کو ملازمتیں اور خطابات وغیرہ دینے میں خاص رعائتیں کی گئیں ان اقدامات سے علیحدگی پسندی اور فرقہ پرستی کے رجحانات کو تقویت پہونچی اور یہ بنیادی حقیقت بھلا دی گئی کہ ہندو اور مسلمان صدیوں سے گاؤں اور شہروں میں مل جل کر رہتے آئے ہیں اور اُن کا تعلق کم و بیش ایک ہی نسل سے ہے۔

تقسیم اور اُس کے بعد

کانگرس شروع سے ہی فرقہ وارانہ اتحاد اور میل ملاپ کی حامی رہی ہے اور قدرتی طور سے وہ ایسی باتوں اور نظریوں کے خلاف تھی اُس نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے جنگ لڑی اور اتحاد و دوستی کا سبق پڑھایا۔ ہزاروں مسلمان اس میں شامل ہوئے اور آزادی کے لئے

لڑے۔ مہاتما گاندھی نے جنھیں شردھا سے راشٹرپتا کہا جاتا ہے ملک کے بٹوارے کے بعد بھی ہندو مسلم اتحاد کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی حتیٰ کہ اس عظیم مقصد کے لیے اپنی جان بھی دے دی۔ اُن کی بے مثال قیادت اور پُراثر شخصیت کی بدولت ہی بھائی چارے اور میل ملاپ کی فضا ملک میں قائم ہوئی اور رواداری کا جذبہ ہندوستانی سیاست کی بنیاد بن سکا۔

تقسیم کے فوراً بعد ہندوستان کے وزیراعظم شری جواہر لال نہرو نے ایک تقریر میں اعلان کیا "ہم تمام لوگ خواہ ہمارا تعلق کسی مذہب سے ہو یکساں طور سے ہندوستان کے سپوت ہیں۔ ہم فرقہ پرستی یا تنگ نظری کی ہمت افزائی نہیں کر سکتے کیوں کہ کوئی قوم جو خیال و عمل میں تنگ نظر ہو کبھی ایک عظیم قوم نہیں بن سکتی۔ ملک کی تقسیم اور پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد بھی ہندوستان میں پانچ کروڑ مسلمان رہتے ہیں اور انھیں شہریت کے تمام حقوق حاصل ہیں تقسیم سے فوراً بعد کے زمانے میں حالانکہ فضا زہرآلود تھی لیکن اس نازک اور سخت وقت میں بھی نئے ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ گیا کہ وہ لوگ جو فرقہ وارانہ پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ترکِ وطن کر چکے تھے اُن کا اعتماد بھی بحال ہو گیا۔ اور بہت سے لوگ ہندوستان میں اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔

اٹوٹ حصہ

مسلمان اس ملک کی معاشی سماجی تہذیبی اور سیاسی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ شہروں میں عام مسلمان امن و سکون سے اپنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں۔ دیہات میں کاشتکاروں اور زمینداروں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ اور دونوں ہی ایک طرح کا ٹیکس ادا کرتے ہیں اور توسیعی اور ترقیاتی اسکیموں سے یکساں طور سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جو دیہی ہندوستان کو خوش حال بنانے کے لئے عمل میں لائی جا رہی ہیں

ہندوستان کے اشاک آکسپیڈیشنوں میں مسلمان فوجی افسر اور جوان اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔

سماجی لحاظ سے مسلمان اس ملک کا ایک اٹوٹ حصہ ہیں اور انھیں دوسرے لوگوں کے ساتھ بالکل برابری کا درجہ حاصل ہے ہندو اور مسلم کلچر کے امتزاج سے ایک بلا جلا خوشگوار کلچر وجود میں آیا ہے بظاہری صورت، لباس اور رسم و رواج کے لحاظ سے دونوں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ہندو اور مسلمان کی تمیز مشکل ہے دیہات میں بھی ہندو اور مسلمان کسان اور کاشتکار میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔

حکومت کے ذریعے کھولے گئے یا حکومت کی امداد پانے والے تعلیمی اداروں میں مسلمان طالب علموں کو وہی مراعات حاصل ہیں جو دوسروں کو۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کے اپنے تعلیمی ادارے تقریباً تمام ریاستوں میں موجود ہیں۔ ان اداروں کو حکومت مالی امداد دیتی ہے۔ مثال کے طور پر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے اخراجات کا بڑا حصہ حکومت ہند برداشت کرتی ہے اس ادارے میں جو غالباً دنیا میں اپنی قسم کی سب سے بڑی مسلم یونیورسٹی ہے، قریباً پانچ ہزار طالب علم جدید ادبیات و سائنسی مضامین کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس یونی ورسٹی میں انجینرنگ، میڈیکل اور ٹریننگ کالج بھی ہیں۔ لڑکیوں کے لئے بھی ایک کالج ہے۔ ہندو پاکستان کے بہت سے ممتاز مسلمانوں نے اس یونی ورسٹی میں تعلیم پائی ہے۔

دستور میں اُردو کو جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل ملاپ کی حسین یادگار ہے۔ دوسری علاقائی زبانوں کے برابر درجہ دیا گیا ہے۔ یہ ایک زندہ اور ترقی پذیر زبان ہے اور خاص طور سے فلموں اور اخبارات کے ذریعے اس وسیع نیم براعظم کے لوگوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی اور ارتباط پیدا کرنے میں اہم حصہ لے رہی ہے۔

عید الفطر، عید الضحیٰ اور محرم کے موقعوں پر سارے ملک میں سرکاری دفاتر بند رہتے ہیں۔

یہ باتیں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ ہندوستان کے جمہوری دستور کی سیکولر نوعیت کی وجہ سے ہندوستان کے ۵ کروڑ مسلمان باعزت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ترقی اور خوشحالی کے سارے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔

اگلے ابواب میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اس ملک میں زندگی کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کا کیا حصہ رہا ہے۔

دوسرا باب

ملک میں باعزت جگہ

بڑی معمولی چھان بین سے اس بات کی تصدیق ہو جائے گی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو اختیار و عزت کی جو جگہیں حاصل ہیں وہ محض اتفاقی نہیں ہیں بلکہ ہندوستانی زندگی کی ہر سطح پر انہیں باعزت جگہیں حاصل ہیں۔ مسلمان افسر، جج، سرجن، انجینئر، وکیل، ڈاکٹر، تاجر، صنعت کار اور سوشل ورکر سبھی ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ملک کی تہذیبی زندگی میں، فلم، ادب، شاعری، ڈرامہ، موسیقی اور آرٹ میں اَن گنت مسلمانوں کے نام ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کے واقعاتی جائزے سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

مئی ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند چنے گئے۔ جو ملک کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ جناب محمد علی کریم چھاگلہ وزیر تعلیم کے بعد ملک کے وزیر خارجہ رہے۔ اس قسم کی مثالوں سے اس سچائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کی سیکولر جمہوریت میں قابل اور اہل مسلمانوں کو اپنا صحیح مقام حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کو ۱۹۶۳ء میں ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز بھارت رتن عطا

کیا گیا۔ ہندوستان کا دوسرا بڑا اعزاز پدم وبھوشن نواب مہدی نواز جنگ کو ۱۹۶۵ء میں دیا گیا۔ اسی سال ہمدرد دواخانے کے متولی جناب عبدالحمید کو پدم شری کا اعزاز ملا۔ ۱۹۶۴ میں پدم بھوشن کا اعزاز پروفیسر آف میڈیسن ڈاکٹر عبدالحق اور دانتوں کے ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور علی گڑھ کے ماہر تعلیم شیخ عبداللہ اور دلی کے میئر نورالدین احمد کو ملا۔ ۱۹۶۵ء میں یہ اعزاز اکبر علی خاں اور پروفیسر محمد حبیب کو ملا۔ ۱۹۶۳ میں فلم پروڈیوسر محبوب خان اور کرکٹ کے کھلاڑی مشتاق علی، اردو کے مشہور نقاد رشید احمد صدیقی کو پدم شری کا اعزاز ملا۔

مسلمان اور فنون لطیفہ

ہندوستان میں فنون لطیفہ کو ترقی دینے کے لیے پہلے پہل جو اکاڈمی قائم کی گئی وہ سنگیت ناٹک اکادمی تھی۔ اس اکاڈمی نے استاد علاؤالدین خاں اور استاد حافظ علی خاں کو اپنا فیلو بنایا۔

جب سے اکادمی نے سالانہ اعزاز دینے کا فیصلہ کیا ہے مسلمان گویوں اور سازندوں کو برابر اعزاز دیا گیا ہے جیسا کہ اس فہرست سے ظاہر ہوگا۔

سال	اعزاز پانے والوں کے نام
۱۹۵۱	استاد مشتاق حسین خاں (گانے والے)
	استاد علاؤالدین خاں (ساز بجانے والے)
۱۹۵۲	استاد حافظ علی خاں (گانے والے)
۱۹۵۳	استاد رجب علی خاں (گانے والے)
	استاد احمد جان تھرکوا (ساز بجانے والے)

۱۹۵۵ استاد سبحان اللہ خاں (شہنائی)

۱۹۵۶ شریمتی رسولن بائی (گانے والی)

۱۹۵۷ استاد یوسف علی خاں (ساز بجانے والے)

۱۹۵۸ استاد جہانگیر خاں (ساز بجانے والے)

۱۹۵۹ استاد وحید خاں (ساز بجانے والے)

۱۹۶۰ استاد الطاف حسین خاں (گانے والے)

۱۹۶۱ استاد بڑے غلام علی خاں (گانے والے)

۱۹۶۲-۶۳ استاد اکبر علی خاں (ساز بجانے والے)

۱۹۶۳-۶۴ استاد رحیم الدین ڈاگر (گانے والے)

ڈرامہ کے لئے ایوارڈ دینے کا فیصلہ بہت بعد میں کیا گیا۔ اس فیصلہ کے بعد سے مندرجہ ذیل مسلمانوں کو یہ ایوارڈ دیا گیا۔

۱۹۵۹ اشرف خاں (اداکاری)

۱۹۶۰ قاسم بھائی میر (ہدایت کاری)

۱۹۶۱ ابراہیم ال قاضی (ہدایت کاری)

حال ہی میں ابراہیم ال قاضی کو پدم شری کا اعزاز بھی دیا گیا ہے۔

مصوری

جن مسلمانوں کو حالیہ برسوں میں اپنی فنکاری کے لئے ایوارڈ ملے اور جنہوں نے شہرت پائی ہے ان میں ایم ایف حسین، ایس ایچ رضا، اے اے زیبا، اے ملیکر محمد سلیم الکر پیسی، جے سلطان علی، غلام رسول سنتوش، غلام محمد شیخ اور سیدین محمد قابل ذکر ہیں۔ اس میدان میں مسلمان عورتیں بھی پیچھے نہیں ہیں۔ ان میں امینہ احمد زہرہ رحمت اللہ

رومانہ فتح علی، صدیقہ بلگرامی اور فاطمہ احمد کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ایم ایف حسین نے ۱۹۵۵ میں للت کلا اکادمی کا انعام جیتا۔ ۱۹۵۸ میں اکادمی کی طرف سے اُن کے فن کو سراہا گیا۔ ۱۹۶۱ میں وہ سلیکشن کمیٹی کے ممبر تھے۔ وہ للت کلا اکادمی کے قیام (۱۹۵۴) کے وقت سے اس کی جنرل کونسل کے ممبر بھی رہے ہیں۔ انھیں ابھی حال ہی میں پدم شری کا اعزاز ملا ہے۔ المیلکر کو ۱۹۵۷ اور غلام محمد شیخ کو اور اکبر پدمسی کو ۱۹۶۲ میں اکادمی کا ایوارڈ ملا۔ اکادمی کے ذخیرے میں سلطان علی، زیبا اور رومانہ فتح علی کی تصویریں شامل ہیں۔

فلم اور کھیل کود

مسلمان ہندوستان کی سب سے دولت مند اور بااثر صنعت فلم انڈسٹری میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ دلیپ کمار۔ مینا کماری، وحیدہ رحمان، سائرہ بانو، محمد رفیع اور نوشاد کا نام ہی کسی فلم کی شاندار کامیابی کی ضمانت ہے محبوب خاں جن کا انتقال حال ہی میں ہوا ہے۔ فلم سازی کے میدان میں بڑی شہرت کے مالک تھے، اداکاروں میں یوسف خاں رحمان، انور حسین، جانی واکر۔ آغا اور محمود اور ایکٹرسوں میں نرگس، مہ جبیں آرا، نمی، ممتاز اور تربانی نسل میں وحیدہ رحمان، سائرہ بانو، چاند عثمانی اور سعیدہ خان۔ ڈائرکٹروں میں ایم اسمٰعیل کے۔ اے عباس اور ناصر حسین اور مکالمے اور گانے لکھنے والوں میں ساحر لدھیانوی، آغا جانی کاشمیری، خواجہ احمد عباس، کمال امروہوی، آہ سیتاپوری، شکیل، مجروح، خمار وغیرہ ہیں۔ ڈائرکٹروں میں نوشاد، علی اکبر خاں اور پلے بیک گانے والوں میں محمد رفیع، طلعت محمود، ثریا اور مبارک بیگم اور کبھی کبھی استاد بڑے غلام علی خاں اور استاد امیر خاں جیسے عظیم موسیقار فلم صنعت کے مشہور اور باوقار نام ہیں۔

صدر جمہوریہ ہر سال بہترین ہندوستانی فلم کو طلائی تمغہ عطا کرتے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں یہ تمغہ خواجہ احمد عباس کو ان کی فلم "شہر اور سپنا" کو دیا گیا۔

فلموں کے علاوہ تفریح کے دوسرے میدانوں میں بھی مسلمان بڑے ممتاز ہیں۔ کرکٹ کے ٹیسٹ میچوں میں نواب پٹودی، عباس علی بیگ اور سلیم درانی کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ مستقبل میں اُن سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ ہندوستان کی فٹ بال ٹیم نے جکارتا (انڈونیشیا) میں چیمپئن شپ جیتی تھی۔ اس ٹیم کی ٹریننگ دینے والے رحیم تھے۔ ٹیم میں بھی آندھرا اور بنگال کے مسلمان کھلاڑی شامل تھے۔ ٹینس میں اختر علی ہندوستان کے چند کھلاڑیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آدھے درجن کے قریب مسلمان ہاکی کے اعلیٰ درجے کے کھلاڑی ہیں۔

مختلف پیشے اور مسلمان

انیسویں صدی میں کسی قوم کی ترقی کا معیار یہ تھا کہ تعلیم، وکالت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں اسکا درجہ کیا ہے۔ بیسویں صدی میں اب یہ پیمانہ سائنس، انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی میں ترقی ہے۔ جدید ہندوستان کے مسلمانوں نے ان دونوں پیشوں میں قابلِ قدر ترقی کی ہے۔

جدید دور میں مسلمانوں نے تعلیم کے میدان میں بڑی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے مولانا ابوالکلام جیسے مدبر اور اسکالر کے علاوہ جدید ہندوستان کو ڈاکٹر ذاکر حسین صدر ہند جیسے اعلیٰ درجے کے ماہرِ تعلیم پر فخر ہے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر جو حال تک مرکزی کابینہ میں وزیر تھے تعلیم کے میدان میں شہرت رکھتے ہیں۔ خواجہ غلام السیدین سابق سیکریٹری، وزارتِ تعلیم جو بعد میں ایجوکیشن کمیشن کے ممبر بھی منتخب کئے گئے تھے۔ ڈاکٹر عابد حسین ہندوستانی کلچر اور اُردو ادب پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ پروفیسر محمد مجیب، وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ تعلیم کے میدان میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اے ایف فیضی کیمبرج یونیورسٹی کے

فیلو تھے۔ اس سے پہلے وہ کثیر یونی ورسٹی کے وائس چانسلر، مصر اور ترکی میں ہندوستان کے سفیر اور یونین پبلک سروس کمیشن کے ممبر رہ چکے ہیں۔ حبشہ میں ہندوستان کے سفیر جناب ایم مسعود اور عراق میں یونیسکو کی طرف سے مقرر کیے گئے۔ ماہر اسلامیات کاظمی صاحب کے علاوہ بہت سے دوسرے مسلمان اس میدان میں ممتاز ہیں۔

ہندوستان میں کئی نامی گرامی مسلمان بیرسٹر ہیں۔ سر سلطان احمد کل ہند شہرت کے مالک تھے اور چند سال پہلے پٹنے میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔ مسٹر جسٹس جعفر امام سپریم کورٹ کے جج تھے اس وقت مسٹر جسٹس ہدایت اللہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ہیں۔ بہت سے ماہر قانون سیاست میں شامل ہو گئے ہیں۔ مسٹر ایم سی چاگلہ بمبئی ہائی کورٹ کے سابق جسٹس ہیں۔ یوپی کے سابق کابینہ کے وزیر انصاف سید علی ظہیر بھی ایک نامور بیرسٹر تھے۔ جناب نورالدین احمد (بیرسٹر) تین بار دہلی کے میئر چنے گئے۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے سابق جج اور اڑیسہ ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب خلیل احمد اس وقت بہار کی کابینہ کے ایک رکن ہیں۔ مدراس ہائی کورٹ کے سابق جج جناب بشیر احمد سعید بہت سے تعلیمی اداروں کو چلا رہے ہیں۔

تیرا باب

اُردو، فارسی اور عربی کی تعلیم

ہر ریاست میں مسلمان اپنے علاقے کی زبان بولتے ہیں۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو اُن تمام لوگوں کی اور ملک کے لاکھوں دوسرے افراد کی ایک مشترک زبان ہے۔ یہ زبان عربی، فارسی، ترکی اور مقامی زبانوں کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔

غیر مسلم (ہندو، سکھ، جین اور عیسائی) بھی اس زبان کو عزیز رکھتے ہیں اور اپنی زبان کی طرح مالا مال کرتے ہیں دراصل وہ بھی مسلمانوں ہی کی طرح اس زبان کو ترقی دینے اور اس کے ادب کو فروغ دینے میں برابر کا حصہ لے رہے ہیں۔

اُردو ایک بہت ہی طاقتور زبان ہے کیوں کہ یہ ہندوستان کے کسی خاص علاقے تک محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسری علاقائی زبانیں ہیں بلکہ تقریباً سارے ملک میں ہی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کا سبب تاریخی ہے۔ پنجاب، دہلی، اودھ اور دکن نے اس زبان کو ترقی دینے اور اسے مالا مال بنانے اور پھیلانے میں برابر کا حصہ لیا ہے۔ ابتدا میں انگریز بھی آخری مغل تاجداروں کی طرح اُس کی سرپرستی اور ہمت افزائی میں پیش پیش تھے۔ اس طرح یہ زبان سیاسی وحدت کی علامت بن گئی۔ جالندھر، دہلی، آگرہ، لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ، گیا، اور کلکتہ کے علاوہ بھوپال، بمبئی، حیدرآباد، بنگلور، مدراس اور بمبئی اُردو کے مشہور مرکز ہیں۔

اُردو کی پسماندگی کا اندازہ اخبارات کے رجسٹرار کے سالانہ جائزے سے ہوتا ہے۔

1959ء سے 1964ء کے درمیانی پانچ سالوں میں اردو میں شائع ہونے والے ماہناموں میں ۷ر۴۳ کا اضافہ ہوا۔ ہفتہ واروں کا اضافہ ۱ر۴۳ فیصدی ہوگا مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔

سال	روزانہ	ہفتہ وار	اُردو کے کل جرائد
1959	۷۲	۲۴۹	۵۷۴
1960	۷۳	۲۷۷	۶۰۲
1961	۷۶	۲۷۶	۶۰۱
1962	۷۷	۳۴۱	۶۹۲
1963	۶۴	۳۰۸	۷۱۲
1964	۶۸	۳۲۴	۷۰۲

کل اُردو جریدوں کی اشاعت میں ۸ر۱۸ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ 1959ء سے 1962ء کے درمیانی عرصہ میں روزانہ اخباروں کی اشاعت میں ۸ر۱۷ فی صد اور ہفتہ واروں کی اشاعت میں ۲ر۲۲ فی صد اضافہ ہوا۔

صرف انگریزی اور ہندی میں شائع ہونے والے اخبارات اور ماہناموں کی تعداد اُردو کے ماہناموں اور اخبارات سے زیادہ ہے، ورنہ دستور میں جتنی زبانیں ہیں اُردو کے اخبارات اور رسائل کی شاعت ان دیگر درجن بھر زبانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ 1964ء میں اُردو روزناموں اور رسالوں کی تعداد ۷۰۲ تھی اس سے پچھلے سال ان کی تعداد ۷۱۲ تھی۔ دوسرا نمبر بنگالی کا ہے جس کی تعداد ۵۶۰ اور ۵۵۲ ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو آج بھی ہندوستان میں اتنی ہی مقبول اور رائج ہے جتنی کہ پہلے تھی۔ ایک اُردو ماہنامے کی اشاعت ۸۷۰۰۰ ہے جو کہ بنگالی گجراتی اور آدھی درجن دوسری زبانوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ خبروں اور حالات حاضرہ سے متعلق شائع ہونے والے اُردو ماہناموں کی تعداد انگریزی اور بنگالی کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر ہے۔

سستی پاکٹ بکوں نے اُردو ادب کو مقبول بنانے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے اگرچہ ان میں زیادہ تر جاسوسی اور رومانی ناول ہوتے ہیں لیکن کچھ ادبی کتابیں بھی ہیں۔ دیوانِ غالب کی ایک اشاعت میں ہزاروں کاپیاں چھپی ہیں۔ اُردو کی سلیقے سے نکالی گئی مستند کتابوں اور خاص طور سے شاعری نے اُس کے ادب کو خاص و عام تک پہنچایا ہے۔

فلم

فلمی صنعت میں اُردو کا اثر بہت نمایاں ہے۔ ہندوستانی فلموں کے لیے لکھنے والے منظر نگار، مکالمہ نویس اور گیت کار اُردو کے مشہور مصنف اور شاعر ہیں۔ ان میں خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، آغا جانی کاشمیری، صفدر آہ شکیل بدایونی، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، اور خمار بارہ بنکوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

فلموں نے غزلوں اور قوالیوں کو اتنا مقبول بنا دیا ہے کہ وہ ہندی ادب پر بھی اثر انداز ہونے لگی ہیں۔

ہندی رسم الخط میں اُردو کی چند ترجمہ شدہ کتابیں دس یا اس سے زیادہ بار شائع ہو چکی ہیں۔

وزارت اطلاعات و نشریات کا فلم ڈویژن اُردو میں دستاویزی فلمیں اور ہر ہفتے نیوز

ریلیں تیار کرتا ہے یہ فلمیں سارے ملک کے سینما گھروں میں دکھائی جاتی ہیں۔ ریاستی اور مرکزی حکومت کے چلتے پھرتے سینما گھر بھی ان فلموں کی نمائش کرتے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو نے بھی اپنے پروگراموں میں اردو کو اہم جگہ دی ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کا دہلی اسٹیشن روزانہ اردو خبروں، فیچروں اور تبصروں کے علاوہ اردو کے بہت سے پروگرام نشر کرتا ہے کبھی مشاعرے نشر کئے جاتے ہیں اور کبھی ڈرامے۔ کبھی ادبی مباحثے ہوتے ہیں اور کبھی تقریریں۔ غرضیکہ اردو جاننے والوں کی دلچسپی کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ دہلی کے علاوہ لکھنؤ، جالندھر، حیدرآباد، کلکتہ، پٹنہ، جموں اور سری نگر سے بھی اردو پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔

خدمات کا اعتراف

وزارت تعلیم ہر سال دیگر علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں مختلف موضوعات پر لکھی گئی کتابوں کو انعامات دیتی ہے۔ مرکزی اور چند ریاستی حکومتوں نے اردو، عربی اور فارسی کے سکالروں کی پنشنیں اور وظیفے مقرر کر رکھے ہیں۔

ساہتیہ اکادمی بھی دوسری علاقائی زبانوں کی طرح ہر سال اردو کی بہترین کتاب پر پانچ ہزار روپے کا انعام دیتی ہے۔ ۱۹۵۵ سے لے کر اب تک مندرجہ ذیل ادیبوں اور شاعروں کو یہ انعام حاصل کرنے کا افتخار حاصل ہوا ہے۔

۱۹۵۵	جناب ظفر حسین خاں
۱۹۵۶	ڈاکٹر عابد حسین
۱۹۵۷	ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی
۱۹۵۸	جناب جگر مرادآبادی
۱۹۵۹	جناب سید مسعود حسین رضوی

۱۹۶۰	جناب فراق گورکھپوری
۱۹۶۱	جناب امتیاز علی عرشی
۱۹۶۲	جناب اختر الایمان
۱۹۶۳	خواجہ غلام السیدین
۱۹۶۴	آنند نرائن ملا
۱۹۶۵	راجندر سنگھ بیدی
۱۹۶۶	قرۃ العین حیدر

ساہتیہ اکادمی کے انتظامیہ بورڈ میں ہمایوں کبیر، کے جی سیدین، اور آل احمد سرور شامل ہیں۔ ہمایوں کبیر انگریزی اور بنگالی کے مشاورتی بورڈ کے بھی ممبر ہیں۔ یہ اکادمی مندرجہ ذیل ادبی تنظیمات کی برابر امداد اور حوصلہ افزائی کرتی ہے جو کہ اردو ادب کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

۱۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ

۲۔ دارالمصنفین (شبلی اکادمی) اعظم گڑھ۔ یوپی

۳۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

مندرجہ ذیل عربی اور فارسی کے اسکالروں کو اعزازی سرٹیفکٹ اور نقد رقم دے کر عزت افزائی کی گئی ہے۔

۱۹۵۹	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی
۱۹۵۹	ڈاکٹر ہادی حسن
۱۹۶۰	جناب مصطفےٰ حسن علوی
۱۹۶۱	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی
۱۹۶۲	جناب محمد نظام الدین فردوسی

۱۹۶۳ جناب عبیداللہ محمد

۱۹۶۴ قاضی عبدالودود

یونی ورسٹیوں میں اردو کے شعبے

آزادی کے بعد سے یونی ورسٹیوں میں اردو زبان وادب کے مطالعے کی زبردست ہمت افزائی کی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے بہت سی یونی ورسٹیوں میں اردو کے الگ شعبے قائم کیے گئے ہیں اور جہاں موجود تھے اُن میں توسیع لائی گئی ہے۔

اردو کے گھر دہلی میں دہلی یونی ورسٹی نے ۱۹۵۸ میں اردو کا ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا ہے تحقیقی کاموں کے لئے اس شعبے کو یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن سے بھی گراں قدر عطیے ملتے ہیں علیگڑھ یونی ورسٹی میں اردو کا شعبہ بہت زمانے سے قائم ہے۔ آزادی کے بعد اس کی سرگرمیوں میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ اور اساتذہ کی تعداد تقریباً دوگنی ہوگئی ہے۔ میسور یونی ورسٹی میں آزادی کے بعد اردو کے ایک پروفیسر کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ عثمانیہ، پٹنہ، الہ آباد، لکھنؤ اور سری نگر کی یونی ورسٹیوں میں اردو کے ممتاز ادیب شعبہ اردو کے صدر ہیں۔ جے پور، گورکھپور، آگرہ، بمبئی، احمد آباد، ناگپور اور کلکتہ کی یونی ورسٹیوں میں اردو کی تعلیم اور تحقیقی کاموں کی سہولتیں موجود ہیں۔

مسلمان اپنے علاقے کی زبانوں میں بھی پوری دلچسپی لیتے ہیں اس کا واضح ثبوت ملیالم کے ایک مسلمان مصنف محمد بشیر کی حاصل کردہ شہرت ہے۔ جن کا ایک ناول ساہتیہ اکیڈیمی نے ہندوستان کی دوسری زبانوں میں ترجمے کے لیے منتخب کیا ہے۔

اعلیٰ تعلیم

علی گڑھ، الہ آباد، بمبئی، بنارس، بمبئی، کلکتہ، لکھنؤ، مدراس، میسور، عثمانیہ، پٹنہ، سری

ڈنکیشور، وکرم اور وشوبھارتی میں عربی کی اعلا تعلیم کا انتظام ہے۔

متحدہ عرب جمہوریہ اور ہندوستان کے درمیان ہونے والے ایک ثقافتی معاہدے کے تحت عربی زبان کے مطالعے کے لیے ہندوستانیوں کو کئی وظیفے دیئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے وظیفے اسلامی تہذیب، عربی زبان اور ادب کے مطالعے کے لیے حکومت عراق نے بھی پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں میٹرک کے بعد عربی زبان کے مطالعے کے لیے قومی وظیفوں کے ضمن میں بھی وظیفے دے جاتے ہیں۔

مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں ہندوستانی اور اسلامی مطالعے کا ایک ادارہ قائم کرنے کی تجویز حکومت ہند کے زیر غور ہے۔

دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی اور نیشنل پبلیکیشن بیورو، حیدرآباد عربی کے نادر اور اصل نسخے شائع کرتی ہے۔ اس نے ادبیات، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، نجوم، اور ادب سے متعلق ۱۸۰ مختلف موضوعات پر تقریباً ۴۰۰ کتابیں شائع کی ہیں۔

دائرۃ المعارف کا قیام ۱۸۸۸ء میں ہوا تھا۔ تب سے ادارہ تمام دنیا سے نئے اور نادر نسخے حاصل کرکے اور انہیں شائع کرکے ملک کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ نسخے ان ریسرچ اسکالروں کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں جو کہ عربی، اسلامی اور اورینٹل اسٹڈیز کی مختلف شاخوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ ہندوستان کے لیے ایک فخر کی بات ہے کہ ان کتابوں کو تمام دنیا میں سراہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دائرۃ المعارف ادارہ تعلیمات اسلام، لکھنو، اور مجلس علمی، (ڈابھیل گجرات) بھی قابلِ ذکر ہیں۔

انِ اداروں کے علاوہ چند پبلشروں نے پرانی کتابوں اور نایاب مخطوطوں کو شائع کرکے بڑی مفید خدمت انجام دی ہے۔

چوتھا باب

مسلمانوں کے تعلیمی ادارے

حکومت ہند اس امر کا پورا خیال رکھتی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پڑے۔ سارے ملک میں سرکار کی طرف سے کھولے گئے یا سرکاری امداد سے چلنے والے تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ مسلمان دوسرے شہریوں کی طرح ان اداروں سے بالکل یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں اس کے علاوہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے اپنے اپنے تعلیمی ادارے بھی ہیں۔ ایسے اداروں کو بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد بین الاقوامی شہرت کے عالم تھے۔ ہندوستان کے وزیر تعلیم کی حیثیت سے ان کا عہد طویل اور ممتاز ہے ایک اور ممتاز مسلمان محمد علی کریم چاگلہ بھی وزیر تعلیم کے عہدے پر مامور رہے ہیں۔ پروفیسر ہمایوں کبیر اور غلام السیدین نے بھی حکومت ہند کے تعلیمی مشیر کی حیثیت سے حکومت کی پالیسیوں کو مرتب کرنے اور ان کو نافذ کرانے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ دوسرے نامی گرامی ماہر تعلیم صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین ہیں جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے حقیقی معمار ہیں

جامعہ ملیہ اسلامیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ۱۹۲۰ میں ڈالی گئی تھی۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ

تھا، تعلیم اور خصوصاً مسلمانوں کی تعلیم کو ایک نئے سانچے میں ڈھالا جائے۔ چونکہ اس کی بنیاد تحریک خلافت کے دنوں میں ڈالی گئی تھی اس لئے اس ادارے میں تعلیم کیساتھ ہاتھ سے بھی کام کرنے اور قومی جذبہ پیدا کرنے پر بھی زور دیا جاتا ہے۔

جامعہ کا افتتاح علی گڑھ یونی ورسٹی کی جامع مسجد میں دیوبند کے مولانا محمود الحسن صاحب نے کیا تھا۔ اس کے سب سے پہلے چانسلر یا امیر حکیم اجمل خاں مرحوم تھے۔ مولانا محمد علی اس کے پہلے شیخ الجامعہ یا وائس چانسلر تھے۔ جب وہ قید کر لئے گئے تو جناب اے ایم خواجہ شیخ الجامعہ ہوئے جب ۱۹۲۶ میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے ڈاکٹر ذاکر حسین کا تقرر ہوا تو جامعہ دلی میں منتقل ہو چکا تھا۔

جب ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس کا انتظام سنبھالا تو تحریک خلافت ختم ہو چکی تھی اور لوگوں کی اس میں دلچسپی باقی نہ تھی۔ غیر ملکی حکومت اس کی مخالف تھی اور آمدنی کا ذریعہ حکیم اجمل خاں کی وفات سے ختم ہو چکا تھا۔ اس نازک موقعے پر اسٹاف کے گیارہ ممبروں نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں ایک انجمن تعلیم ملی کی بنیاد ڈالی اور اپنی زندگی کے بیس سال جامعہ کی خدمت میں صرف کرنے کا عہد کیا۔ رفتہ رفتہ اس سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد بڑھ کر چوبیس تک پہنچ گئی۔ لیکن آمدنی کا ذریعہ صاحب ثروت افراد کی امداد کے بجائے صرف دس ہزار ہمدردوں کا عطیہ تھا۔ یہ لوگ ہر ماہ چھوٹی چھوٹی رقمیں پابندی سے دیتے تھے۔

جامعہ ایک ابتدائی اور ثانوی تعلیمی ادارے کی حیثیت سے شروع ہوا تھا۔ بعد میں یہاں طلبا کے رہنے کا بھی انتظام ہوا۔ پھر ٹیچرز ٹریننگ اسکول کھلا۔ اور اس کے بعد تعلیم بالغان کا بھی انتظام ہوا۔ اس میں دیہی ادارہ بھی قائم کیا گیا۔ ایک اردو انکیوبی اور اشاعت گھر بھی کھولا گیا۔ بنیادی طریقہ تعلیم رائج کرنے میں جامعہ کی حیثیت پیش رو کی سی ہے۔ اس کی ڈگریاں سب سے پہلے جرمنی، فرانس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تسلیم کی گئیں اور ہندوستان میں آزادی

حاصل ہونے سے کچھ ہی دنوں پہلے۔ قومی تعلیم کے سلسلے میں انہوں نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں آزادی کے بعد اس کی اہمیت اور افادیت کو عام طور سے تسلیم کیا جا رہا ہے۔

مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ہندوستان میں سب سے قدیم اسلامی تعلیمی ادارہ ہے۔ اس کی بنیاد سر سید احمد خاں نے ۱۸۷۵ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے نام سے ڈالی تھی جو رفتہ رفتہ اعلیٰ درجے کا کالج بن گیا۔ اس کے عظیم بانی کی موت مارچ ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ اس کے بعد جلد ہی یہ کوشش کی گئی کہ اسے یونی ورسٹی کے درجے تک پہنچایا جائے۔ دسمبر ۱۹۲۲ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی ایکٹ پاس ہونے کے بعد یہ ادارہ مرکزی یونی ورسٹی بن گیا۔ یہ اقامتی اور تعلیمی یونی ورسٹی ہے۔

اس یونی ورسٹی میں مستحق طالب علموں کو ہر ممکن سہولتیں دی جاتی ہیں۔ غریب مگر ہونہار طلبا کی فیس معاف کر دی جاتی ہے اور وظیفے دیئے جاتے ہیں۔ فارسی، عربی اور اسلامی تاریخ اور اسلامی فلسفے کے مطالعے کے لیے خاص طور سے وظیفے دیئے جاتے ہیں۔ یونی ورسٹی توسیعی لکچروں کا طریقہ بھی یہاں رائج ہے جو نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اس کی لائبریری میں تقریباً ۶۰۰۰۰ کتابیں ہیں، جن میں مشرقی زبانوں کی کتابیں بھی شامل ہیں۔ یہاں بہت سے نایاب قلمی نسخے بھی ہیں۔ طلبا یونی ورسٹی میگزین نکالتے ہیں جو کہ یونی ورسٹی پریس میں چھپتا ہے۔ یونی ورسٹی کے اسٹاف کی طرف سے یونی ورسٹی جرنل شائع ہوتا ہے۔ اور مسلم یونیورسٹی گزٹ یونی ورسٹی کا سرکاری ترجمان ہے۔ یہاں فوجی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ نیز نیشنل کیڈٹ کور کے اپنے پلاٹون بھی ہیں۔

یونی ورسٹی میں سب سے اہم ایسوسی ایشن مسلم یونی ورسٹی یونین ہے جو کہ آکسفورڈ

اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے طرز پر چلائی جاتی ہے۔ یہ طلبا کی سماجی اور ذہنی سرگرمیوں کا خاص مرکز ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی سماجی سوسائٹیاں بھی ہیں جیسے عربی سوسائٹی، فارسی سوسائٹی، اردو سوسائٹی وغیرہ۔

یونی ورسٹی میں اعلیٰ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا بھی انتظام ہے۔ اس کے دو کورس ہیں۔ ایک تو عام قسم کا ہے۔ دوسرا اعلا تعلیم کا بھی کورس ہے۔ اس کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد "نیشنل آف تھیولوجی" کی ڈگری دی جاتی ہے۔ تعلیم نسواں پر بھی اس یونی ورسٹی میں خاص توجہ دی جاتی ہے۔

عثمانیہ یونی ورسٹی

حیدرآباد کی عثمانیہ یونی ورسٹی ایک خاص اہمیت کی حامل ہے اس کی بنیاد ۱۹۱۸ء میں پڑی۔ اس نے انگریزی کی بجائے اردو کو اپنا ذریعہ تعلیم بنا کر ایک نئی مثال قائم کی کسی ہندستانی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینا کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ تقریباً ہر موضوع پر کتابیں صرف انگریزی زبان میں ہی دستیاب تھیں۔ اردو میں کتابیں تیار کرانے کے لیے ایک دارالترجمہ قائم کیا گیا تھا۔ جس کے اسٹاف میں عالم فاضل افراد اور ماہرین شامل کیے گئے تھے۔ اس دارالترجمہ نے ہر موضوع پر نصابی کتابیں مرتب کیں اور انھیں شائع کیا۔ علی گڑھ یونی ورسٹی کی طرح عثمانیہ یونی ورسٹی بھی ایک آقامتی درس گاہ ہے۔

دارالعلوم، دیوبند

ہندوستان میں ایک ایسی یونی ورسٹی بھی ہے جو اپنی خصوصیتوں کی وجہ سے بے مثال اور منفرد ہے۔ دہلی سے کوئی سو میل کے فاصلے پر دیوبند کے خوبصورت شہر میں اسلامی تعلیم کی یہ ممتاز درسگاہ واقع ہے۔ اس کی بنیاد گذشتہ صدی کے اواخر میں پڑی تھی۔

ادارہ عباسیوں کے عہد کے بغداد کی پرانی یونی ورسٹی کی یاد دلاتا ہے۔ کیوں کہ یہ طرزِ تعمیر سے لے کر معمولات تک میں اسی کی طرح ہے۔

یہ دُنیا کے مشہور اسلامی اداروں میں سے ہے۔ تقریباً ۹۰ سال پہلے مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اسلامی تہذیب کے مطالعے کے لیے اس کی بنیاد ڈالی تھی، ابتدا میں یہ ادارہ ایک چھوٹے سے مکتب کی حیثیت سے شروع ہوا تھا۔ یہ آگے چل کر مولانا محمود الحسن کی کوششوں سے جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے، موجودہ مرتبے کو پہنچا۔ وہ بڑے باہمت اور غیر ملکی حکومت کے کٹر دشمن تھے۔ انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی حمایت کی نتیجے کے طور پر انھیں زندگی کا بقیہ حصہ جیل اور جلا وطنی میں گزارنا پڑا۔ اُن کے بعد مولانا حسین احمد مدنی کا تقرر صدر مدرس کی حیثیت سے ہوا۔

اس دار العلوم میں جن مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان میں حدیث، تفسیر، اسلامی قانون، فلسفہ، قانون، اصول فقہ، علم الکلام، ادب، علمِ نجوم، طب، ریاضی، تاریخ اور دوسرے متعلقہ مضامین شامل ہیں۔ حدیث کی تعلیم اور تفسیر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پورے مشرق میں اس ادارے کو بہت شہرت حاصل ہے۔ یہاں طلباء سے فیس نہیں لی جاتی۔ بلکہ کتابیں، رہائش اور خوراک کے اخراجات بھی دار العلوم کے ذمے ہیں۔ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے اور ہر سال مختلف ممالک سے طلباء یہاں داخلہ لیتے ہیں۔ یہاں کی لائبریری میں تقریباً دس ہزار عربی فارسی اور اردو کی کتابیں ہیں جن میں نایاب قلمی نسخے اور تاریخی دستاویز شامل ہیں۔

دیگر ادارے

خدا بخش لائبریری پٹنہ ہندوستان کی مشہور لائبریری ہے۔ اس میں بڑی نادر اور

نایاب کتابیں اور مخطوطے ہیں۔ اسلامی علوم کی تعلیم اور ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ندوۃ العلماء لکھنؤ ندوۃ المصنفین، دہلی، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ جیسے ادارے بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ یہاں جو چند نام گنائے گئے ہیں اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ کوئی جامع فہرست ہے۔ ایسے بہت سے ادارے ہیں جو برابر مفید خدمت انجام دے رہے ہیں اس سلسلے میں مدرسہ مظہر العلوم سہارنپور کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ دارالعلوم دیوبند کی طرح اسلامی تعلیم کا یہ مرکز گزشتہ صدی میں قائم ہوا تھا۔ پچاس سال پہلے یوپی میں سرائے میر کے مقام پر مدرسہ الاصلاح قائم کیا گیا تاکہ دیہی علاقوں میں اسلامی تعلیم کو پھیلایا جائے۔ اس کے بانی مولانا حمید الدین عربی کے مشہور عالم تھے۔

پانچواں باب

ہندوستان میں اسلام کا ارتقاء

ہندوستان میں اسلام کے اثرات اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی کہانی لگ بھگ بارہ سو برس پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ میں حملوں کا ذکر تو ضرور ہوتا ہے مگر پرامن تحریکیں اکثر نظر انداز ہو جاتی ہیں۔ ہندوستان میں پہلے پہل جو مسلمان آئے وہ فوجی نہ تھے جو ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کے حملے کے بعد آنے لگے تھے۔ بلکہ یہ عرب ملاح اور تاجر تھے جو ان سے پہلے ہی ہندوستان آنے لگے تھے اور کیرالہ کے ساحل پر آباد ہونے لگے تھے۔ پہلے پہل ہندوستان آنے والے مسلمان سقط اور ہرمز کے نومسلم عرب تاجر تھے جو مالابار کے ساحل پر آ کر آباد ہو گئے تھے۔

اس خیال کی تائید شری کے ایم پانیکر کی کتاب "تاریخ کیرالا" سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں جب مذہب اسلام پورے عرب پر چھا گیا تو فوراً اس کا اثر کیرالہ میں بھی محسوس کیا گیا۔ ایک خاص قدیم روایت کے مطابق آخری پیرومل (حکمراں) خود بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ مالابار میں اسلام تبدیلی مذہب اور عرب تاجروں کے سکونت اختیار کر لینے کی وجہ سے پھیل گیا تھا اس کا ایک قاطع ثبوت پنٹالائی کولم (شمالی ارکاٹ) میں ایک مسلم کتبے سے ملتا ہے جس پر ۱۰۷۱ھ ہجری کی تاریخ کندہ ہے۔"

بارہویں صدی میں جب کہ ابھی دہلی پر قطب الدین ایبک کا قبضہ بھی نہیں ہوا تھا مالابار میں مسلمانوں نے اتنی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ ایک طرف ہندوستان اور مشرقی ایشیا اور دوسری طرف ہندوستان اور وسطِ ایشیا کے ممالک کے درمیان کی تمام سمندری تجارت ان کے کنٹرول میں تھی۔

اس طرح ہندوستان کے بعض حصّوں میں مسلمان بارہ سو برسوں سے رہ رہے ہیں لیکن ہندوستان کی کوئی ریاست ایسی نہیں ہے جہاں وہ کم سے کم سات سو سال پہلے سے آباد نہ ہوں۔

تہذیبوں کا میل جول

ہندوستانی مزاج کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ وہ ایشور بھگتی نیکی اور تقدس کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اس وجہ سے شیخ معین الدین چشتی سنجری بھر مسلمانوں کے ساتھ اس وقت اجمیر میں بود و باش اختیار کر سکے جبکہ پرتھوی راج چوہان اور شہاب الدین غوری میں فیصلہ کن جنگ نہیں ہوئی تھی۔ دوسرے درویشوں اور بزرگوں نے لاہور ملتان، سرہند، دہلی، آگرہ حتیٰ کہ مدراس اور بنگال جیسی دور دراز جگہوں کو اپنا مسکن بنایا۔ ان کے ماننے والوں میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ ان بزرگوں نے اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے کبھی کسی شہنشاہ سے کسی قسم کی مدد نہ لی۔

ہندوستان کے ابتدائی مسلمان فرماں رواں بڑے سوجھ بوجھ والے تھے۔ ہندو مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ اکبر سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ مثال کے طور پر تغلق خاندان کا بانی غازی ملک ایک جاٹ عورت کا لڑکا تھا۔ اس کا بھتیجا فیروز تغلق جو محمد تغلق کا جانشین ہوا وہ الوہر کے راجہ رانا مل کی لڑکی کے بطن سے تھا۔

مسلمان فرماں رواؤں نے ہندوؤں کو نظامِ ملک میں شامل کر کے اور حکومت میں

انہیں، علیٰ سے اعلیٰ عہدے دے کر مقامی انتظامیہ پر اپنی گرفت مضبوط کرلی تھی۔ محمود غزنوی نے ہندو سپاہیوں کی کئی پلٹنیں بھرتی کی تھیں جب اسکے بیٹے مسعود کو اپنے بھائی سے جنگ کرنے یا پنجاب میں امن وامان قائم رکھنے کی ضرورت ہوئی تو اس نے اپنے ہندو جنرل تلک پر بھروسہ کیا تھا اور اس سے مدد حاصل کی تھی۔ مالوہ کے سلطان محمود کا وزیر اعظم ایک ہندو چندیری کا میدنی رائے تھا۔ بنگال کے حسین شاہ کے دربار میں پورندر خاں روپ اور سناتم جیسے ہندو اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ اس معاملے میں کشمیر کے سلطان زین العابدین اکبر اعظم ہی کی طرح وسیع النظر تھے ایسا ہی رویہ بیجاپور اور گولکنڈہ کے سلطانوں کا بھی تھا۔

یہ رواداری اور حسن سلوک یک طرفہ نہ تھا۔ ہندو فرماں روا بھی ایسے ہی روادار اور وسیع النظر تھے جب مسلمان ہندوستان میں رس بس گئے تو وہ ہندوستانی سمجھے جانے لگے مسلمان کالی کٹ کے حکمرانوں (زمورن) کے دربار کے ملازم تھے۔ سلطنت وجیانگر کے بادشاہوں نے بھی مسلمانوں کو اپنی فوج میں ملازم رکھا تھا۔ بابر کے خلاف لڑنے والوں میں رانا سانگا کے ساتھ مسلمانوں کی فوج کا دستہ بھی تھا۔ رانا سانگا نے مالوہ کے سلطان محمود دوئم کو ایک لڑائی میں ہرایا تھا۔ مگر اس کے باوجود رانا نے فراخدلی سے کام لیتے ہوئے اسکا تخت وتاج اُسے واپس کر دیا تھا۔ قتلغ خاں نے سلطان ناصرالدین محمود کے ہاتھ سے شکست کھاکر ایک راجپوت سردار کے یہاں پناہ لی تھی۔ رنتھمبور کے ہمیر دیو نے علاءالدین خلجی کے خلاف بغاوت کرنے والے ایک مسلمان سردار کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد اور فروغ کی وجہ سے ہندوؤں میں مذہبی جوش و خروش پیدا ہوا اور وہ مذہبی اور روحانی باتوں پر غور وخوض کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ویشنومت اور ویرشیومت جیسے فرقے وجود میں آئے اور پروان چڑھے۔ ان فرقوں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں ظاہری مذہبی رسوم کا کوئی دخل نہ تھا اور زیادہ زور بھگتی اور

وحدانیت پر دیا گیا تھا اور ہندوؤں کی ایسی تحریکوں سے ملی جلی مسلمانوں میں بھی صوفی ازم کی تحریک پروان چڑھی۔ مذہب کے اس گہرے لگاؤ کے باوصف ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے دُور نہیں ہوئے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ ایک دوسرے کے نزدیک آگئے کیونکہ بھگتی تحریک اور صوفی مت دونوں میں خدا اور انسانوں سے محبت کی تعلیم دی گئی تھی۔

مذہب میں اس غیر معمولی دلچسپی اور آپس کے میل جول سے علاقائی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ مسلمان سنسکرت سے تقریباً ناواقف تھے۔ گو کہ البیرونی اور سلطان زین العابدین جیسے چند لوگ اس سے واقف تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی عام جنتا بھی سنسکرت سے ناواقف تھی۔ لہٰذا اسلام کے فروغ و اشاعت کے لیے مسلمان بزرگوں اور درویشوں کو اس علاقے کی زبان کا سہارا لینا پڑا۔ ان ہی لوگوں کی بدولت ایک نئی ملی جلی زبان اردو وجود میں آئی اور پروان چڑھنے لگی۔ ہندو سماج سدھارکوں کو بھی نئی علاقائی زبانوں کا سہارا لینا پڑا۔ کیوں کہ انھیں کچھ ایسی باتیں کہنی تھیں جو نئی تھیں اور ان کے مخاطب بھی عام لوگ تھے بادشاہ اور امراء نہیں۔ ودیاپتی کے بھگتی سے بھرے ہوئے گیت میتھلی زبان میں ہیں، میرا بائی کے راجستھانی میں، چنڈی داس کے بنگلہ میں، اور تاتھ سوامی کے مراٹھی زبان میں ہیں۔ کبیر، نانک، سورداس، تلسی داس اور ملک محمد جائسی جیسے صوفیوں اور درویشوں نے ہندی کی مختلف شکلوں کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا

اس طرح جب ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اسلام ہندوستان میں کافی بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا تھا اور اس نئے مذہب کے ماننے والوں اور اس دیس کے پرانے باسیوں کے درمیان کافی حد تک جذباتی یک جہتی اور مفاہمت پیدا ہو چکی تھی۔ بابر اور اس کے جانشینوں کے زیر دست مخالف گجرات، مالوہ، جنوبی ہند اور بنگال کے مسلمان صوبے دار اور بہمنی سلطنت کے فرماں روا تھے۔ ان تمام حکمرانوں نے اپنے آپ کو

دہلی کو حکومت سے آزاد کرا لیا تھا اور خود مختار بن گئے تھے۔

ملکی اتحاد

چنگیز خاں اور تیمور کے خاندان سے تعلق رکھنے والے بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دی اور ملک میں ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جو برطانوی حکومت کے قیام تک لگ بھگ تین سو برسوں تک ہندوستان پر حکومت کرتا رہا۔ مغلوں کی فتح کے لحاظ سے ہندوستان کو تین مرحلوں میں بانٹا جا سکتا ہے (۱) بابر کا راجپوتوں اور افغانوں کو اپنا مطیع بنانا (۲) افغان سردار شیر شاہ سوری کا ہندوستان کے تخت پر قبضہ کرنا (۳) شیر شاہ کے جانشینوں سے ہمایوں کا ہندوستان پھر جیت لینا اور اکبر کا اس نئی حکومت کو مضبوط اور مستحکم بنانا۔ اکبر مغل شہنشاہوں میں سب سے بڑا اور عظیم بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت مغرب میں قندھار سے لے کر مشرق میں دکن تک اور شمال میں سری نگر سے لے کر جنوب میں احمد نگر تک پھیلی ہوئی تھی۔

اکبر نہ صرف ایک بہادر تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ مدبر فنون لطیفہ اور ادب کا سرپرست تھا۔ اس کے دربار میں بہادر اور سورما، مدبر اور اسکالر شاعر اور گویے اور فنون لطیفہ کے پارکھ سب ہی موجود رہتے تھے۔ حاضر جوابی میں مشہور بیربل، عظیم موسیقار تان سین، عالم اور شاعر فیضی، منصف اور بہادر ابوالفضل ان میں سے چند ہیں۔ اس زمانے کے مہاکوی تلسی داس دربار سے وابستہ نہیں تھے۔ برج بھاشا کی تجدید کیشو، سور اور تلسی کی مرہون منت ہے۔ فتحپور سیکری میں اکبر کی بنائی ہوئی عمارتیں نہ صرف اس کی شان و شوکت کی مظہر ہیں بلکہ ہندو اور مسلم طرز تعمیر کے مکمل اتحاد کی بھی آئینہ دار ہیں۔ اس کی رواداری اور وسیع النظری کی جھلک ریاست اور ملکی انتظام میں نظر آتی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں ایک ایسی بادشاہت

قائم ہوئی جسے اگر تو کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

جہانگیر اور شاہجہاں اچھے اور اہل حکمراں تھے۔ ان کی سرپرستی میں علوم وفنون کو فروغ حاصل ہوا اور مصوری کا ایک طرز "مغل اسکول" پروان چڑھا۔ شاہ جہاں نے بے مثال تاج محل، لال قلعہ، جامع مسجد، دیوانِ عام، دیوانِ خاص، اور تختِ طاؤس بنوائے۔

شاہجہاں کے بیٹے اورنگزیب کے دورِ حکومت میں سلطنت نے انتہائی وسعت اختیار کی۔ دکن کی مسلم ریاستوں (بیجاپور اور گولکنڈہ) کو فتح کر لیا گیا اور مغلوں کی حکومت دریائے کاویری کے کناروں تک قائم ہوگئی۔ پھر بھی اورنگ زیب کی سب سے ایک شکست خوردہ انسان کی حیثیت سے ہوئی اور وہ بڑی حد تک مغل سلطنت کی بربادی اور تباہی کا باعث بنا۔ اُس نے ملک میں جس طرح کا اتحاد قائم کرنا چاہا اس کی نوعیت قومی نہیں تھی جیسا کہ اکبر نے کیا تھا۔

اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں کے دورِ حکومت میں افغانستان مغلوں کے قبضے سے نکل گیا اور نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی جیسے سرداروں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا پانی پت کے تاریخی میدانوں میں ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کا مقابلہ ہوا مگر دونوں میں سے کوئی بھی ہندوستان کو اپنے زیرنگیں نہ کر سکا۔ اس طرح میدان بالکل خالی رہا اور ملک میں کوئی ایسی طاقت نہ رہ گئی جو اس بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کر سکے۔ اس طرح غیر ملکی تاجروں کی جماعت برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس کا پورا موقعہ مل گیا کہ وہ رفتہ رفتہ ہندوستان میں اپنی سلطنت قائم کرے۔

مذہبی کتابوں کی تصنیف

اس زمانے میں مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا تھا اور ایک مضبوط مرکزی حکومت کی بجائے جگہ جگہ خود مختار ریاستیں قائم ہونے لگی تھیں۔ سیاسی لحاظ سے یہ بڑے افراتفری

کا زمانہ تھا، مگر اسی زمانے میں مسلمانوں کی کئی زبردست تحریکیں شروع ہوئیں اور مذہبی احیار کی کوششیں زور شور سے ہوئیں۔

مسلم صوفیوں اور درویشوں نے اپنی تعلیمات اور طرز عمل سے ہندوستان کے لاکھوں افراد کو متاثر کیا اسلام کی تعلیمات سے متعلق کئی محققانہ اور مستند کتابیں لکھی گئیں جن کا اعتراف اسلامی ممالک کے عالموں نے بھی کیا۔

اسلام سے متعلق ہندوستان میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور جتنا لکھا گیا ہے وہ دوسرے اسلامی ممالک میں لکھی گئی کتابوں سے کسی طرح کم نہیں ہے قرآن کے بعد حدیث کی تعلیم بے حد اہم سمجھی جاتی ہے۔ اس زمانے میں بڑی مستند اور مشہور حدیثیں مرتب کی گئیں اور ان کی شرحیں لکھی گئیں جیسے شیخ علی بن حسام الدین کی کنز العمال اور شیخ عبدالحق دہلوی کی اللمعات فی شرح المشکوۃ۔ یہ دونوں کتابیں آج تک علمی حلقوں میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں صحیح بخاری کی شرح فیض باری کے نام سے شیخ عبدالاوّال نے لکھی۔ شیخ سلام اللہ نے المعطا کی شرح لکھی۔ یہاں محض چند نام گنوائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث اور فقہ سے متعلق بلند پایہ کتابیں لکھی گئیں۔

اس زمانے میں بڑے مشہور اور جید عالم دین بھی گذرے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کے فارسی خطوط روحانی اور مذہبی لحاظ سے بڑے قابلِ قدر ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے وقت کے بڑے مشہور عالم تھے۔ انھوں نے کئی بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس زمانے میں یہ بات شاید عجیب معلوم ہو مگر اس زمانے میں اس جدت کے لئے انھیں اپنے بعض کٹر معاصرین کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان کی دو کتابیں حجۃ البلاغہ اور عقد الجید ہندوستان اور اسلامی ممالک میں کئی بار شائع ہوئی ہیں اور قاہرہ کی مشہور الازہر یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان کے لڑکے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلے اور علم و فضل کے اس معیار کو باقی رکھا جو ان کے والد نے قائم کیا تھا۔ ان کے بڑے لڑکے

شاہ عبدالعزیز نے دہلی میں ایک مدرسہ کھولا جس میں ملک کے تمام حصوں اور بیرونِ ممالک سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے کے لیے جوق در جوق آنے لگے۔ انہوں نے قرآن شریف کی تفسیر "فتح العزیز" کے نام سے لکھی ہے۔ اسلام کے مختلف مسائل سے متعلق اُن کے فتوے بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور آج بھی ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے دوسرے دو لڑکوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ دوسرے مشہور عالم قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے عربی میں دس جلدوں میں قرآن شریف کی تفسیر لکھی۔

لغت کی تالیف و تدوین میں بھی ہندوستانی عالموں نے قابلِ قدر کام کیا ہے۔ شیخ حسن صاغانی نے العباب الزاخر مرتب کی۔ شیخ محمد طاہر پٹنی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار کے مصنف ہیں۔ عربی کی دوسری مشہور لغت "تاج العروس" سید مرتضیٰ الزبیدی نے مرتب کی ہے۔

اسلامی ادب کی اشاعت کے سلسلے میں منشی نول کشور کے مطبع نے جو گراں قدر خدمت انجام دی ہے وہ ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اس ادارے کی وجہ سے سینکڑوں کتابیں تلف ہونے سے بچ گئیں اور منظرِ عام پر آگئیں۔

مندرجہ بالا باتوں سے ظاہر ہے کہ اسلامی علوم اور دینی معلومات کی اشاعت میں ہندی مسلمانوں نے بڑا قابلِ قدر کام کیا ہے اور اس کا درجہ ان ممالک میں کسی سے کم نہیں ہے جو خالص اسلامی ملک کہے جاتے ہیں۔

چھٹا باب

اسلامی فنِ تعمیر

ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان ہندوستان آئے اور یہیں رس بس گئے۔ لازمی طور سے زندگی کے ہر شعبے میں ہندو اور مسلم تہذیبوں کا میل جول ہوا اور زبان و ادب، علوم و فنون، موسیقی مصوری، کھیل کود، لباس اور رہنا سہنا غرضکہ ہر چیز پر اُن کا اثر پڑا۔

لیکن ہندوستانی فنِ تعمیر میں اُن کا اثر سب سے نمایاں ہے۔ جب مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان یہاں آئے تو وہ اپنے ساتھ فنِ تعمیر کے نئے نمونے لائے اور ہندوستان میں صدیوں تک اپنی حکومت کے دوران دہلی اور آگرہ میں انھوں نے اپنے فنِ تعمیر کے بے شمار نمونے یادگار چھوڑے ہیں۔

ابتدائی دور

قطب مینار ہندوستان کی راجدھانی میں ایک سنتری کی طرح کھڑا ہے اس کی بلندی ۲۳۸ فٹ ہے اور دنیا کے اونچے میناروں میں سے ایک ہے یہ سنگِ سرخ اور سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔

تیرھویں صدی کی ابتدا میں سلطان قطب الدین ایبک نے شمال مغربی ہندوستان کی فتح کے یادگار کے طور پر اس کی تعمیر شروع کرائی تھی۔ لیکن یہ مینار ۱۲۲۰ میں سلطان التمش کے ہاتھوں مکمل ہوا۔

دہلی میں تغلق آباد کا قلعہ اور تغلق شاہ کا مقبرہ آج تک غیاث الدین محمد تغلق کی یاد دلاتے ہیں۔ جو کہ چودھویں صدی کے ابتدی حصے میں گذرا ہے۔

خیال ہے کہ سکندر شاہ سوری کا مقبرہ سولھویں صدی کے شروع میں بنایا گیا ہے۔ اس میں مختلف رنگوں کی سنگ کاری کئے ہوئے ٹائل لگائے گئے ہیں۔ لیکن اس کی تعمیر کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہرے گنبد ہیں جو بعد کو مغل فن تعمیر کی ایک عام خصوصیت بن گئے

بیجاپور اور گولکنڈہ

ہندوستان کی ایک بے مثال تاریخی یادگار بیجاپور کا گول گنبد ہے جو شاہ جہاں کے معاصر احمد عادل شاہ کا مقبرہ ہے اس کا رقبہ ۱۸۱۱۰ مربع فٹ ہے۔ یہ دنیا میں سب سے بڑا گنبد ہے دنیا کا دوسرا بڑا گنبد روم کا پنتھین ہے جس کا رقبہ ۱۵۸۳۳ مربع فٹ ہے۔ ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی محرابوں کے سہارے گنبد بنانے کے فن سے ہندوستانی معمار ناواقف تھے اس طرز تعمیر کو گول گنبد میں پہلی بار استعمال کرنا بیجاپور کے معماروں کی کھلی مہارت کا ثبوت ہے۔

نیچے گیارہ فٹ چوڑی گیلری ہے جو عمارت کے اندرونی حصے میں جاتی ہے۔ یہاں اگر سرگوشی کے انداز میں بات کی جائے تو آواز بڑے زور سے گونجتی ہے اور اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ہزاروں آدمی روزانہ اس عجیب و غریب عمارت کو دیکھنے آتے ہیں اور اس کی اس خصوصیت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ اگر زور سے قہقہہ لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پلاستر میں چھپے ہوئے درجنوں دوست جوابی قہقہہ لگا رہے ہیں۔ اور اگر کاغذ کو پھاڑا جائے تو اس کی ایسی زبردست گونج پیدا ہوتی ہے جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

گولکنڈہ کے قطب شاہی بادشاہوں نے شہر گولکنڈہ میں بہت سی شاندار، عمارتیں، مقبرے، مسجدیں اور یادگاریں بنوائی ہیں۔ اس کا ایک بہترین نمونہ چار مینار ہے جو ۱۵۹۱ء میں بنایا گیا ہے۔

کشمیر

اسلامی فن تعمیر میں لکڑی کا استعمال سری نگر میں شاہ ہمدان کی دو منزلہ مسجد اور جامع مسجد میں کیا گیا ہے۔ تعمیر میں پتھروں کے استعمال کی بھی مغلوں نے تجدید کی جیسا کہ سری نگر میں اکبر کے بنوائے ہوئے ہری پت کے قلعے اور ملکہ نورجہاں کی سری نگر میں ۱۶۲۵ء میں بنوائی ہوئی پتھر کی مسجد سے ظاہر ہوتا ہے

عہدِ مغلیہ

مغلوں کے دورِ حکومت کے ابتدائی دور میں دہلی میں جو سب سے پہلا مقبرہ بنایا گیا وہ ہمایوں کا مقبرہ ہے۔ اس مقبرے کو مغل فن تعمیر کی ترقی میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ تعمیر کا دوسرا دور اکبر سے شروع ہوتا ہے جس نے آگرہ اور الہ آباد اور آگرہ سے ۲۴ میل دور اپنی راجدھانی فتح پور سیکری میں بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ جہانگیر کے زمانے میں کوئی قابل ذکر عمارت نہیں بنی۔ لیکن شاہجہاں نے فن تعمیر کے ایک نئے طرز کو رواج دیا اور دہلی، آگرہ، اجمیر، لاہور اور سری نگر کی بہت سی عمارتیں اس کے شوق اور دلچسپی کی مرہونِ منت ہیں۔

شاہجہاں کی بنوائی ہوئی عمارتوں میں سب سے خوبصورت عمارت روضۂ تاج محل ہے۔ جو دنیا کی حسین ترین عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ آگرے کی موتی مسجد فنِ تعمیر کا ایک دوسرا نادر نمونہ ہے۔ اس کے عہد میں بنوائی ہوئی دوسری عمارتوں میں دہلی کا لال قلعہ

اور جامع مسجد ہیں۔

اورنگ زیب کی تخت نشینی کے بعد مغل فنِ تعمیر کا زوال شروع ہوگیا۔ مسلم دورِ حکومت کی یہ عمارتیں قلعے، مقابر، مساجد اور دوسری یادگاریں اپنی شان و شوکت و عظمت کے ساتھ آج بھی موجود ہیں اور وزارتِ تعلیم کے ماتحت حکومتِ ہند کا محکمۂ آثارِ قدیمہ اُن کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے۔

ساتواں باب

مسلمانوں کے تہوار

ہندوستان کی موجودہ ملی جلی تہذیب گذشتہ کئی صدیوں کی دین ہے۔ ہندوستان کے دو بڑے فرقے ہندو اور مسلمان جس طرح ایک دوسرے کے تہوار میں شریک ہوتے ہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صدیوں سے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان میں کتنا میل ملاپ پیدا ہوگیا ہے۔ مسلمان ہندوؤں کے مشہور تہواروں ہولی، دیوالی اور دسہرے میں شریک ہوتے ہیں اور ہندو عیدالفطر اور محرم میں شامل ہوکر اپنے برادرانہ جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

عیدالفطر

ہندوستان کے مسلمان بڑے جوش و خروش کے ساتھ عید کا تہوار مناتے ہیں۔ یہ تہوار رمضان المبارک کے خاتمے کے بعد منایا جاتا ہے۔ رمضان شریف میں ہی قرآن شریف کا نزول ہوا تھا۔ مسلمان رمضان کے مہینے میں روزے رکھتے ہیں اور اس مہینے کے خاتمے کے بعد (۲۹ یا ۳۰ کو) جب شوال کا چاند نظر آتا ہے تو دوسرے دن عید کا تہوار مناتے ہیں۔ عیدگاہوں اور مسجدوں میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ اور بچے بوڑھے اور جوان سبھی اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملنے جاتے ہیں۔ جہاں سویوں

سے ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ ہر طرف خوشی اور مسرت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ہندو اپنے مسلمان دوستوں سے بغل گیر ہوتے ہیں، عید کی مبارک باد دیتے ہیں۔ اور ان کی خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔

دہلی میں رمضان کے متبرک مہینے میں بڑی سرگرمی اور جوش و خروش دیکھنے میں آتا ہے۔ ہر شام کو نقارے بجا کر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ سورج چھپ گیا ہے اور افطار کا وقت آگیا ہے۔ دہلی کی مسجدوں میں نمازیوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ تراویح کی نمازیں ہوتی ہیں اور مسجدیں قرآن پاک کی آیتوں سے گونج اٹھتی ہیں۔ سحر کے وقت مسلم محلوں میں بڑی چہل پہل نظر آتی ہے جبکہ روزہ دار سحری کھاتے ہیں۔

عید الضحیٰ

مسلمانوں کا ایک اور تہوار عید الضحیٰ ہے۔ یہ تہوار اس واقعہ کی یادگار ہے جو حضرت ابراہیم کے ساتھ پیش آیا تھا۔ خداوند قدوس نے ان کا بڑا سخت امتحان لیا تھا۔ اور انھیں حکم دیا تھا کہ آپ کو جو چیز سب سے زیادہ عزیز ہے اسے خدا کی راہ میں قربان کر دیجئے اور انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو قربان کر دینے کا فیصلہ کیا۔ جیسے ہی وہ اُن کے گلے پر چھری پھیرنے والے تھے کہ اُن پر منکشف ہوا کہ خدا کو محض اُن کا امتحان لینا مقصود تھا۔ لہٰذا اب یہ کافی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی بجائے ایک بھیڑ خدا کی راہ میں قربان کر دیں۔ اس وقت سے تمام صاحب حیثیت مسلمان جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ یہ تہوار دس ذی الحجہ کو منایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی بکریوں اور بھیڑوں کی قربانی کی جاتی ہے اور نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس موقع پر حج بھی ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں بھی حج کے بعد دنبے اور اونٹوں کی قربانی کی جاتی ہے۔

محرم

مسلمانوں کے سال کا پہلا مہینہ محرم رنج والم کا مہینہ ہے۔ اس مہینے کی ابتدا ہوتے

ہی واقعات کربلا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ سارے ہندوستان کے مسلمان شہدائے کربلا کا غم مناتے ہیں۔ حضرت محمد کے نواسے اور حضرت علی اور بی بی فاطمہ کے لخت جگر حضرت امام حسین دس محرم ۶۱ھ کو کربلا کے میدان میں شہید کر دیئے گئے تھے کیوں کہ آپ نے یزید کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ کے ساتھ آپ کے تمام اقربا، اور اعزا بھی شہید کر دیئے گئے۔

اسلامی تاریخ کے اس المناک واقعے کی یاد سارے ہندوستان میں منائی جاتی ہے۔ مگر لکھنؤ کا محرم قابلِ دید ہوتا ہے۔ چھوٹے بڑے اور قسم قسم کے تعزیئے اور علم نکالے جاتے ہیں اور امام باڑوں میں لائے جاتے ہیں۔ امام باڑوں میں چراغاں کیا جاتا ہے اور مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ چونکہ شہدائے کربلا پر ظالموں نے پانی بھی بند کر دیا تھا۔ اس لئے جگہ جگہ شربت اور پانی کی سبیلیں ہوتی ہیں۔ تعزیے اور علم ہندوستان کے تقریباً ہر شہر میں نکالے جاتے ہیں۔ تعزیہ داران حسین ماتم کرتے ہوئے اور شہر کے اہم راستوں سے گشت کرتے ہوئے کربلا جاتے ہیں اور وہاں تعزیے دفن کر دیتے ہیں۔

عرس

ہندوستان میں اجمیر شریف مسلمانوں کی ایک بڑی متبرک جگہ سمجھی جاتی ہے جہاں خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی کا مزار ہے جو ہندوستان کے مسلمان درویشوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر سال آن کا عرس بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ان کا عرس صدیوں ہی سے منایا جا رہا ہے۔

اس عرس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہندو بھی شریک ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے عوام خدا کے ان نیک بندوں کو کس احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور قومیت، فرقے اور ذات پات کا فرق اس عقیدت کی راہ میں حائل نہیں۔

خواجہ اجمیری کا وصال آج سے لگ بھگ ۷۲۵ سال پہلے اجمیر شریف میں ہوا تھا۔ آپ اپنی ابتدائی زندگی سے ہی صوفی منش اور درویش صفت تھے۔ آپ نے سرقند اور بخارا میں تعلیم حاصل کی اور مرشد کی تلاش میں دور دراز کا سفر کیا جس کہ آپ کی ملاقات چشتیہ سلسلے کے ایک بزرگ خواجہ عثمان ہارونی سے ہوئی۔ آپ نے بیس سال ان کی خدمت میں گذارے اور ان کے خلیفہ اور نائب ہوئے۔ پھر آپ نے عراق و ایران، شام و افغانستان کا سفر کیا اور آخر میں ہندوستان تشریف لائے۔ آپ ۱۱۹۰ کے لگ بھگ اجمیر شریف پہنچے اور یہیں رہ پڑے۔ آپ اجمیر شریف میں ۴۴ سال زندہ رہے وہاں آپ کے مریدوں اور حلقہ بگوشوں اور ماننے والوں کا تانتا لگ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا کٹر سے کٹر مخالف اور بے عقیدہ آدمی ان کے حضور میں پہنچ کر ان کا حلقہ بگوش بن جاتا تھا اور راہ راست پر آجاتا تھا۔ ان کی شہرت سارے ہندوستان میں پہنچ گئی۔ ان کی سادگی اور انسان دوستی نے ہزاروں آدمیوں کو متاثر کیا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی تنہائی اور عبادت میں بسر کی۔

شہنشاہ اکبر نے ۱۵۷۰ء میں اجمیر شریف کی درگاہ پر حاضری دی تھی اور اس کے لیے جائداد وقف کر دی تھی۔ خلجی سلطان کے دور حکومت میں ان کا پختہ روضہ تیار کیا گیا تھا۔ شاہجہاں کی لڑکی شہزادی جہاں آرا نے ان کے روضے تک جانے کے لیے راستہ بنوایا تھا۔

دلی میں خواجہ نظام الدین اولیا کا عرس بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ۱۷ ربیع الثانی کی رات کو فاتحہ کے بعد ہی قوالی کا پروگرام شروع ہوتا ہے جو کہ عرس کا ایک اہم حصہ ہے۔

اس جگہ حضرت امیر خسرو کا عرس بھی منایا جاتا ہے جو کہ ۱۸ شوال کو اپنے مرشد سے جا ملے تھے۔

بہت سے ملکوں سے لوگ عرس میں شامل ہو کر برکت حاصل کرتے ہیں اور یہ دستور آج تک قائم ہے۔ عرس کے موقع پر ہزاروں کی تعداد میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

شمالی ہندوستان کا تیسرا بڑا عرس کلیر شریف کا ہے جو کہ ہردوار اور رڑکی کے درمیان واقع ہے اور ربیع الاول کے مہینے میں حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کی یاد میں منایا جاتا ہے

سرھند (پنجاب) کے مقام پر حضرت مجدد الف ثانی کا عرس صفر کے مہینے کے آخری دنوں میں منایا جاتا ہے۔

جنوبی ہندوستان میں گلبرگہ کے مقام پر ذیقعدہ کے ماہ میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا عرس بہت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

حج

حکومت ہند نے مسلمانوں کی سہولتوں کے لیے چار جہاز خاص اسی مقصد سے مخصوص کر دیئے ہیں جو کہ انھیں حج کے لیے جدہ لے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جہاز میں ۵۰۰ مسافروں کے لیے جگہ ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز سے سفر کرنے کے خواہش مند افراد کے لیے بھی خاص انتظامات کیے گئے ہیں۔ حاجیوں کو مفت طبی امداد دی جاتی ہے اور انھیں زرمبادلہ مہیا کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ان مسافروں کو جائے قیام سے بندرگاہ تک پہنچنے اور واپس ہونے کے وقت بندرگاہ سے گھر تک آنے کے لیے ٹرانسپورٹ کی سہولتیں اور دوران قیام جہاز ہندستان کے قونصل خانے سے ہر طرح کی مدد حاصل کرنے کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔

خاص دستوری تحفظات

دفعہ (۱۵) ۱۔ حکومت، مذہب، نسل، ذات، جنس اور جائے پیدائش کی بنیاد پر کسی شہری سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کرے گی۔

دفعہ (۱۶) ۱۔ حکومت کے تحت نوکری پانے یا کسی عہدے پر مقرر کیے جانے کے لیے تمام شہریوں کو یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔

(۲) حکومت کے تحت کوئی بھی ملازمت پانے یا کسی بھی عہدے پر مقرر ہونے کے لیے مذہب، نسل، ذات، جنس، خاندان، جائے پیدائش یا رہائش کی بنیاد پر کسی شہری کے خلاف کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

(۵) اس آرٹیکل کا کسی ایسے رائج قانون پر اثر نہیں پڑے گا جس کے تحت کسی مذہب یا فرقے کے نام پر قائم کیے گئے ادارے کی دیکھ بھال کے لیے کسی فرد یا گورننگ باڈی کے ممبروں کا کسی خاص مذہب یا کسی خاص فرقے سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔

دفعہ ۲۵ (۱) امن عامہ، اخلاق، صحت اور اس حصے کی دوسری دفعات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر شخص کو یکساں طور سے ضمیر کی آزادی اور آزادانہ طور سے کسی مذہب کو ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کا پرچار کرنے کا حق ہے

دفعہ ۲۶) امن عامہ، اخلاق اور صحت سے متعلق پابندیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر مذہبی اقلیت یا اس کے کسی حصے کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہوں گے

(الف) مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لیے ادارے قائم کرنا اور ان کو چلانا۔

(ب) مذہبی امور کے معاملے میں اس کا کام کاج خود چلانا۔

(ج) منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کو حاصل کرنا اور اپنی ملکیت میں لینا۔

(د) قانون کے مطابق ایسی جائیداد کا انتظام کرنا۔

دفعہ ۲۷ کسی شخص کو کوئی ایسا ٹیکس ادا کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا جسے کسی خاص مذہب یا کسی خاص مذہبی گروہ کی ترقی یا دیکھ بھال کے لیے خرچ کیا جائے

دفعہ ۲۸ (۱) کسی ایسے تعلیمی ادارے میں جسے کلیتاً حکومت چلاتی ہو کسی قسم کی مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی۔

(۲) دفعہ (۱) میں کی گئی بات کسی ایسے ادارے پر لاگو نہیں ہوگی جس کا انتظام تو سرکار کے ہاتھوں میں ہو لیکن وہ اس شرط کے ساتھ کسی وقف کے تحت قائم کیا گیا ہو کہ اس ادارے میں مذہبی تعلیم دی جائے گی۔

(۳) سرکار سے منظور شدہ یا سرکاری امداد پانے والے کسی تعلیمی ادارے میں کسی فرد کو ایسی مذہبی تعلیم میں حصہ لینے یا کسی ایسی مذہبی عبادت میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے جس کا اہتمام ادارے میں یا اس کے کسی ملحقہ حصے میں کیا گیا ہو۔ البتہ متعلقہ فرد بالغ ہونے کی صورت میں اپنی مرضی اور نابالغ ہونے کی صورت میں اپنے سرپرست کی مرضی و منظوری سے مذکورہ نوعیت کی تعلیم و عبادت میں شریک ہو سکتا ہے۔

دفعہ ۲۹ (۲) کسی شہری کو محض مذہب نسل ذات پات زبان یا ان میں کسی ایک کی وجہ سے کسی ایسے تعلیمی ادارے میں جسے حکومت چلاتی ہو یا امداد دیتی ہو داخلہ کرنے سے انکار نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۳۰ (۱) تمام اقلیتیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا لسانی اپنی مرضی کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق رکھتی ہیں۔

(۲) حکومت تعلیمی اداروں کو امداد دیتے وقت اس بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتے گی کہ کوئی تعلیمی ادارہ کسی مذہبی یا لسانی اقلیت کے زیر انتظام ہے

دفعہ ۳۲۵ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں یا ریاستی مجلس قانون ساز کے کسی ایوان

کے ممبروں کا انتخاب کرنے کے لیے ہر انتخابی حلقے کے ووٹروں کی ایک عام فہرست ہوگی ، اور مذہب، نسل، ذات، جنس یا ان میں کسی ایک کی بنا پر کسی شخص کو اس انتخابی فہرست میں شامل ہونے کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ کسی مذکورہ بنا پر کسی، حلقے کے لیے خصوصی انتخابی فہرست میں شامل کیے جانے کا دعوا کر سکے گا۔

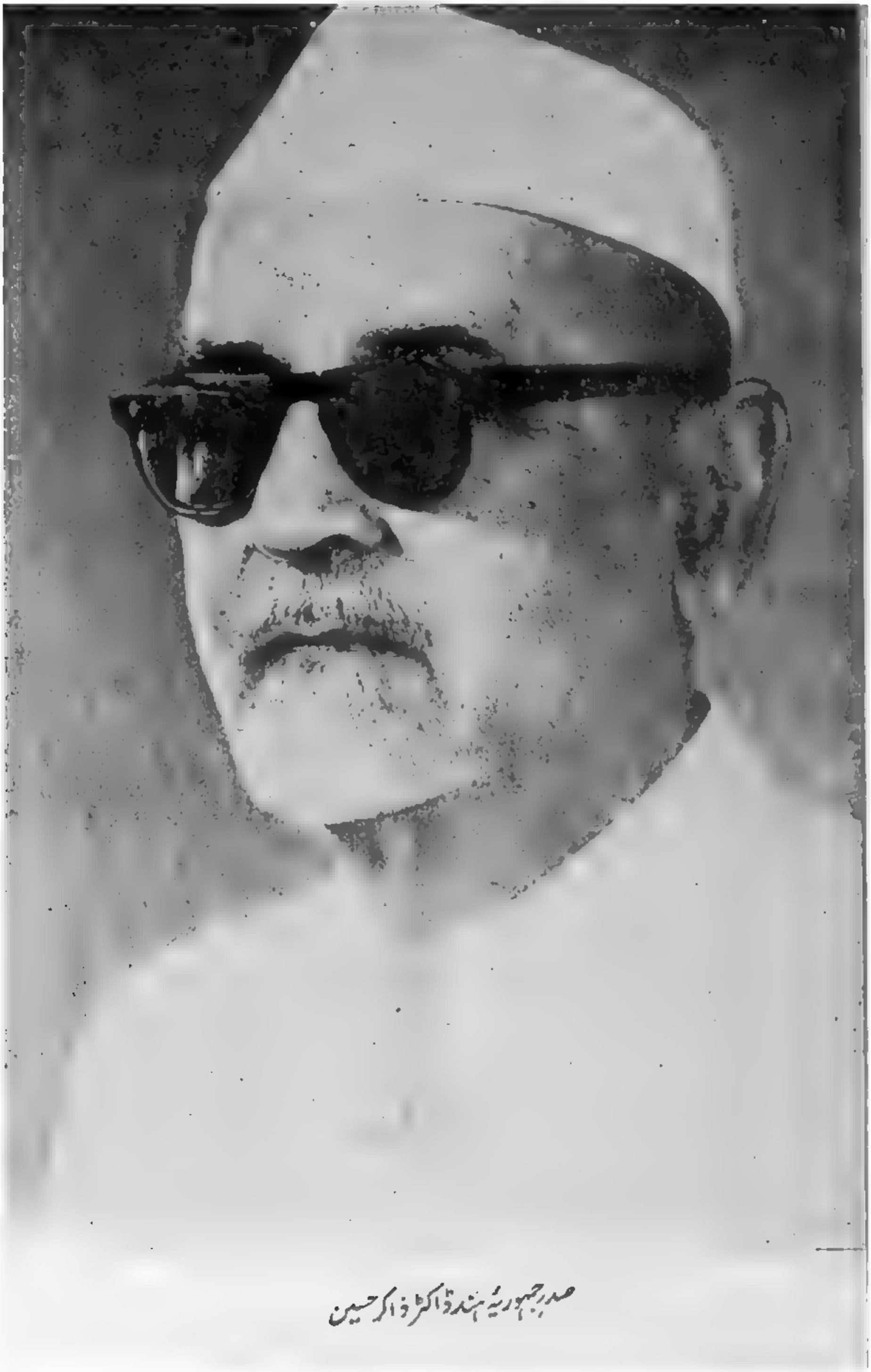

صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین

مولانا ابوالکلام آزاد
شاہ ایران رضا شاہ پہلوی
کے ساتھ

صدرِ جمہوریۂ ہند
ڈاکٹر ذاکر حسین
شاہ افغانستان
کے ساتھ

سپریم کورٹ
کے چیف جسٹس
ہدایت اللہ

متحدہ عرب جمہوریہ کے صدر جنرل ناصر بمبئی کے قاضی اعلیٰ کے ساتھ

ملائشیا کے وزیر اعظم
ٹنکو عبدالرحمٰن
درگاہ شریف اجمیر میں

حوالدار عبدالحمید
(پرم ویرچکر)

برگیڈیر محمد عثمان
(مہاویرچکر)

میجر ایم اے آر شیخ
(ویریکر)

میجر جنرل ای حبیب اللہ

اُستاد فیاض خاں

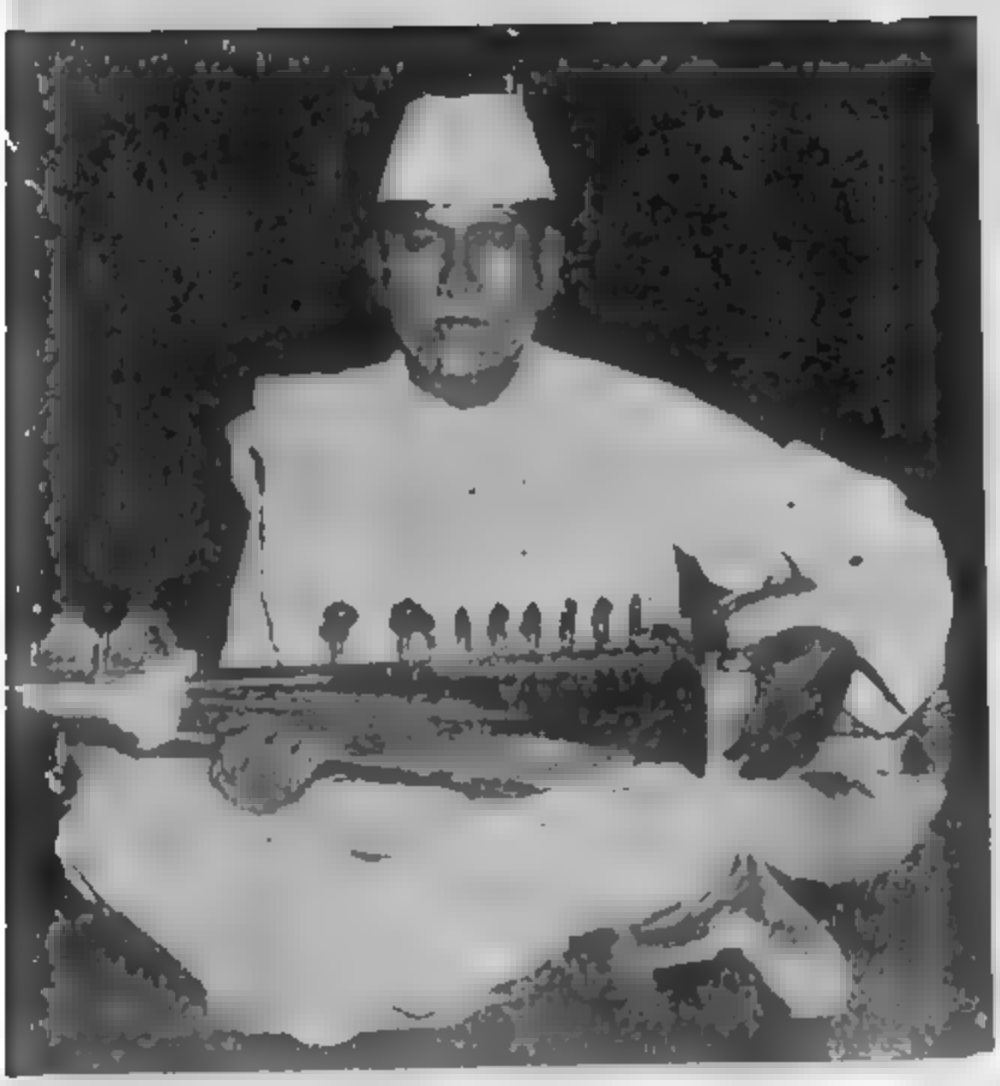

اُستاد علاءالدین خاں

اُستاد بڑے غلام علی خاں

آصف علی

حافظ محمد ابراہیم

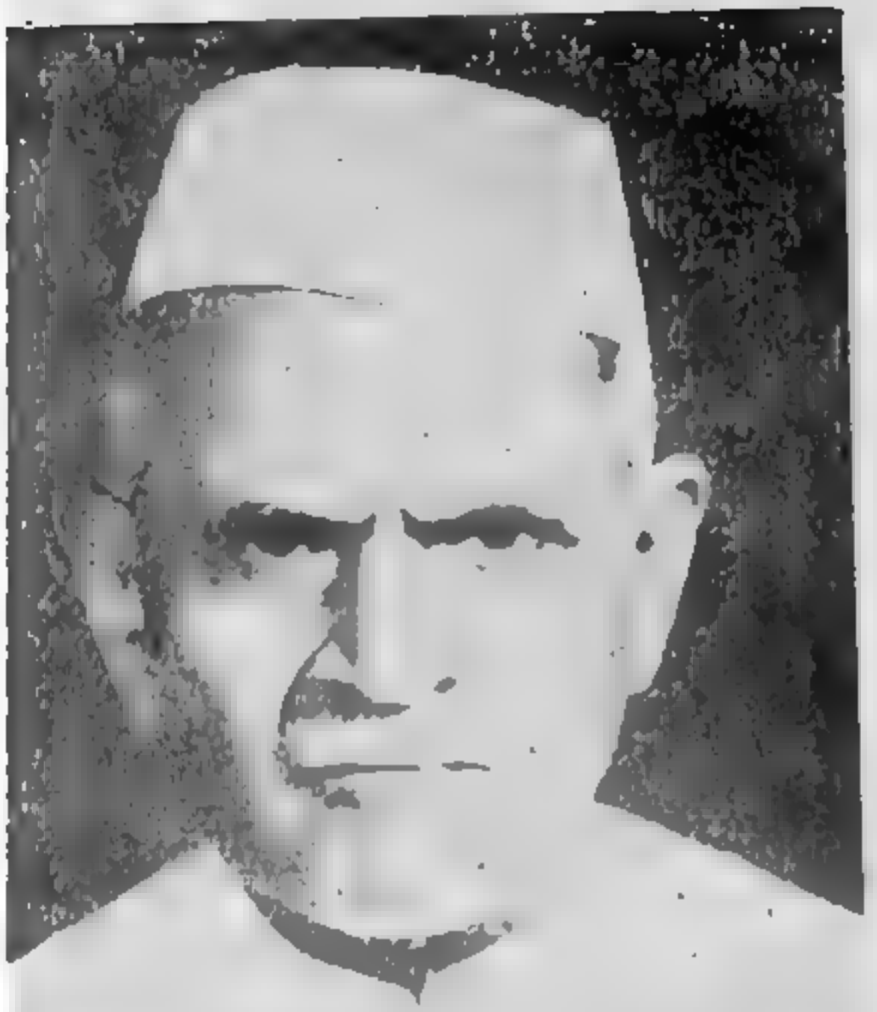

نواب مہدی نواز جنگ

غلام محمد صادق

فخرالدین علی احمد

محمد علی کریم چھاگلہ

شاہ نواز خاں

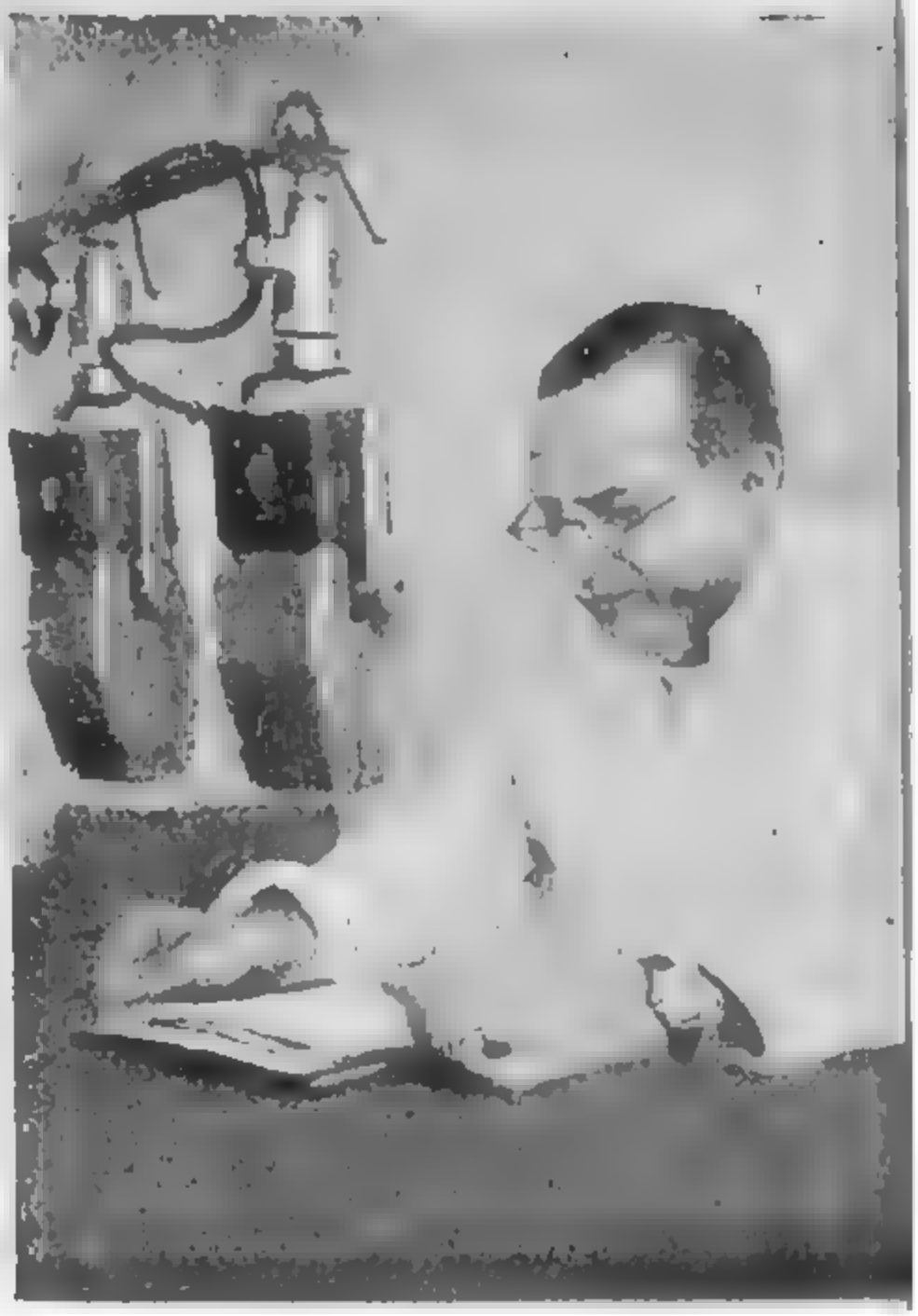

نور الدین احمد

قاضی عبدالودود

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

سید مسعود حسن رضوی

مزار غالب پر یومِ غالب
کی تقریب

قرۃ العین حیدر صدر جمہوریہ ہند سے ساہتیہ اکادمی کا انعام لیتے ہوئے

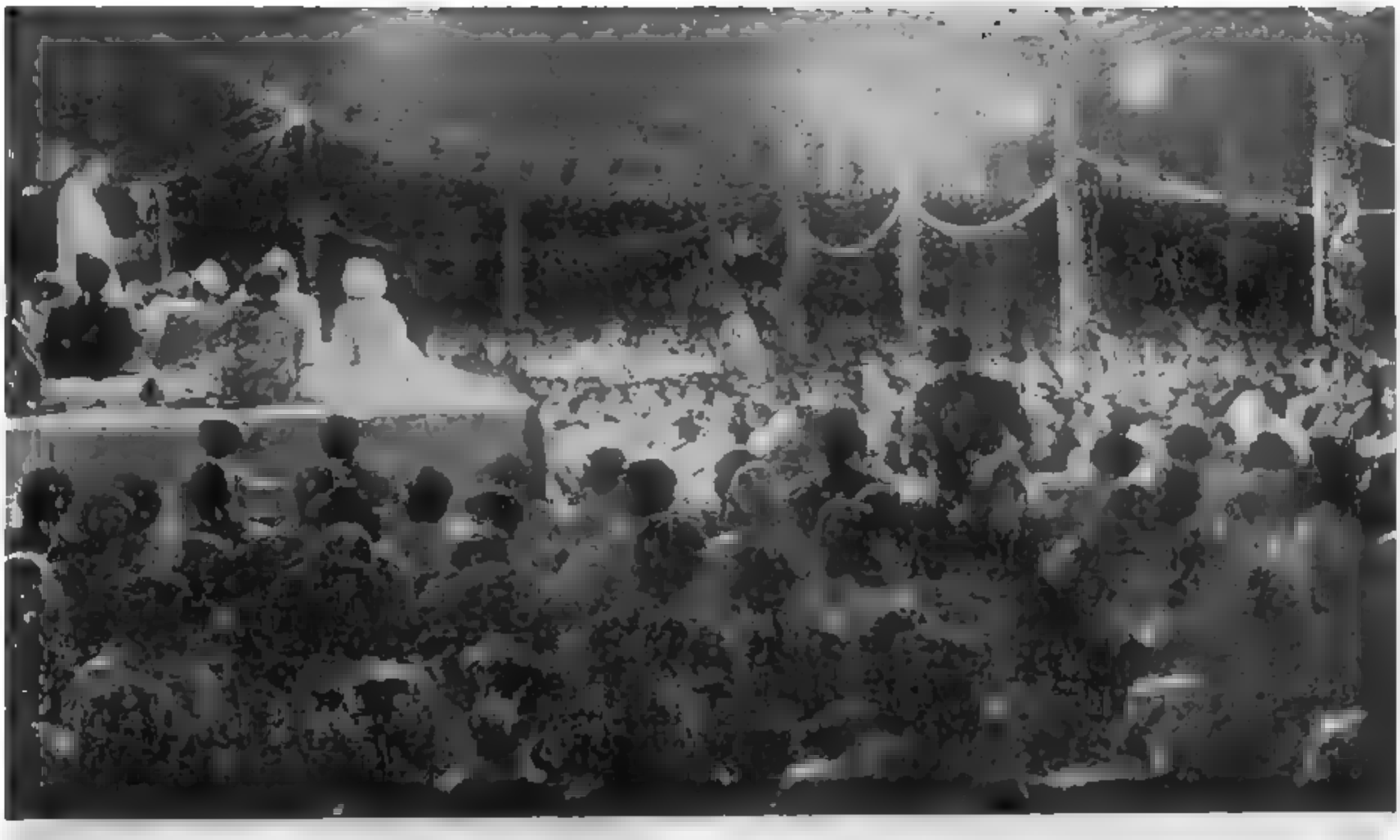

لال قلعہ میں یوم ظفر کی تقریب کا ایک منظر (اوپر)

(نیچے) اس موقع پر شہزادی قمر سلطانہ (بہادر شاہ ظفر کی پوتی) بھی معزز مہمانوں میں موجود ہیں

بدرالدین طیب جی

ڈاکٹر ایم اے انصاری

حکیم اجمل خاں

رفیع احمد قدوائی

یوسف خاں (دلیپ کمار)

محمد رفیع

وحیدہ رحمان

سائرہ بانو

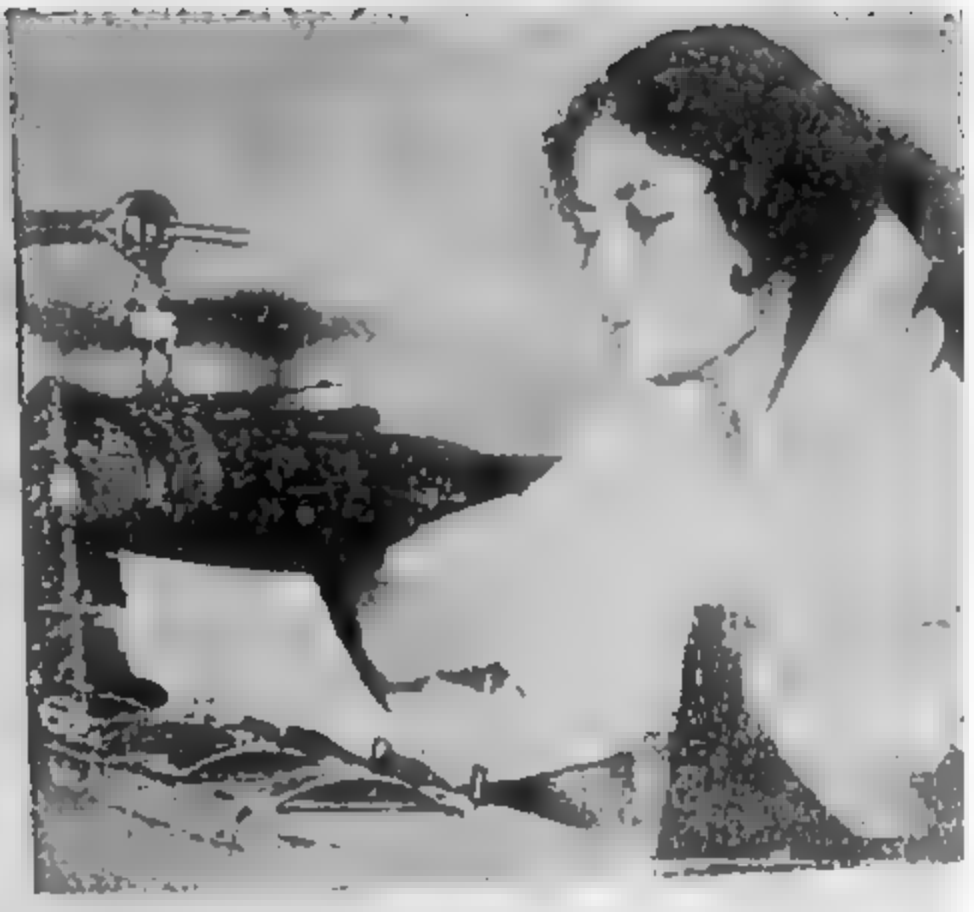

ماہ جبیں آرا
(مینا کماری)

ایم۔ الیف حسین

نواب پٹودی

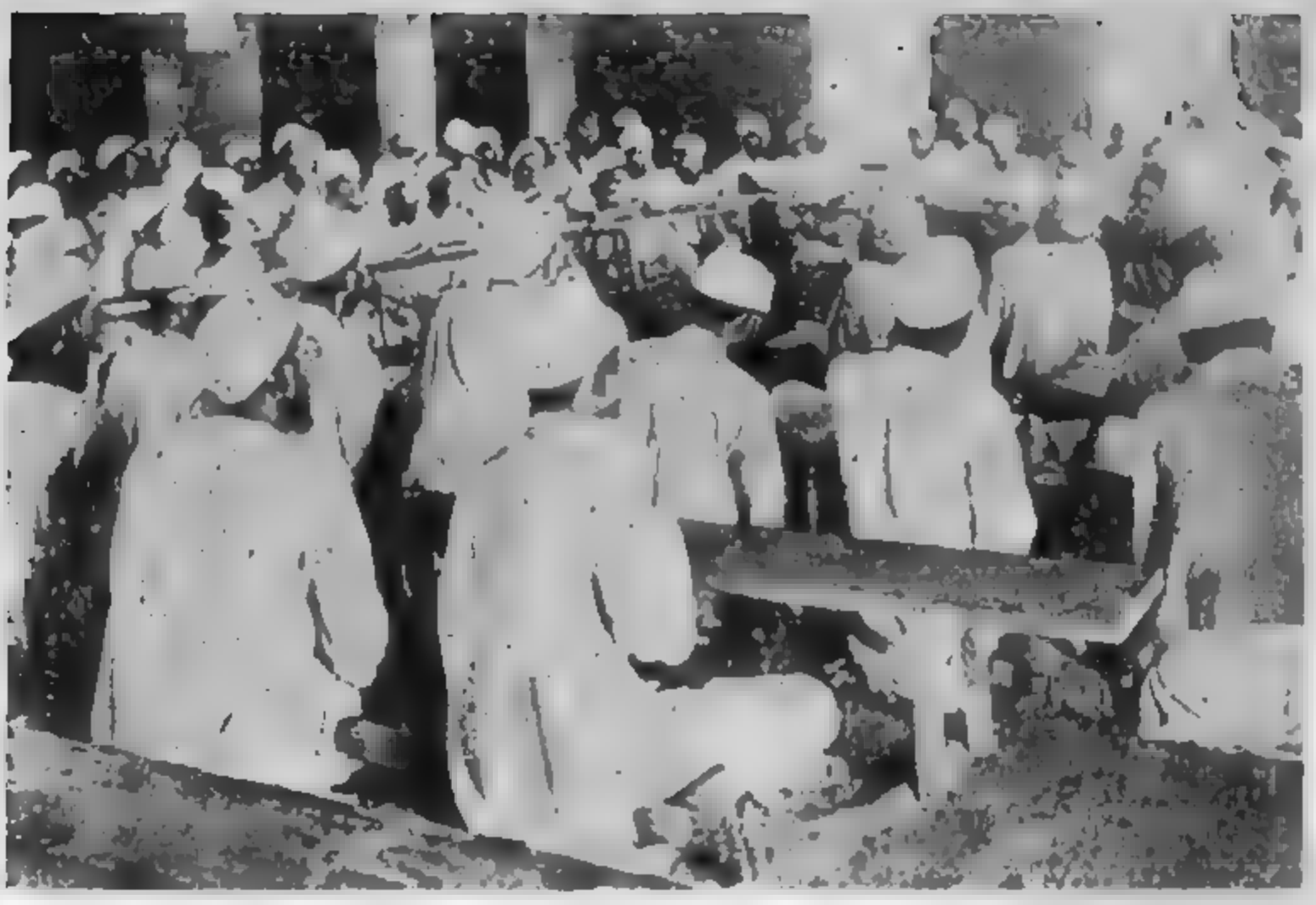

دارالعلوم دیوبند میں مطالعہ میں مصروف طلباء

دارالمصنفین اعظم گڑھ کی لائبریری

طبیہ کالج دہلی

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

ڈاکٹر عبدالعلیم
وائس چانسلر علی گڑھ یونی ورسٹی

مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی ایک عمارت

پروفیسر محمد مجیب
وائس چانسلر جامعہ ملیہ

جامعہ ملیہ کی ایک عمارت

پروفیسر ہمایوں کبیر

قدسیہ زیدی

خواجہ غلام السیدین

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں تحقیق میں مصروف ریسرچ اسکالر

مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں لڑکیاں سائنس کی عملی تعلیم میں مصروف ہیں

سالار جنگ میوزیم کی نئی عمارت حیدرآباد

عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد

بدرالدین فیض حسن بدرالدین طیب جی

آصف علی اصغر فیضی

مکہ مسجد حیدرآباد

جامع مسجد مانڈو

جامع مسجد چمپانیر

مقبرہ ٹیپو سلطان

تاج محل آگرہ

قطب مینار دہلی

لال قلعہ دہلی

چار مینار حیدر آباد

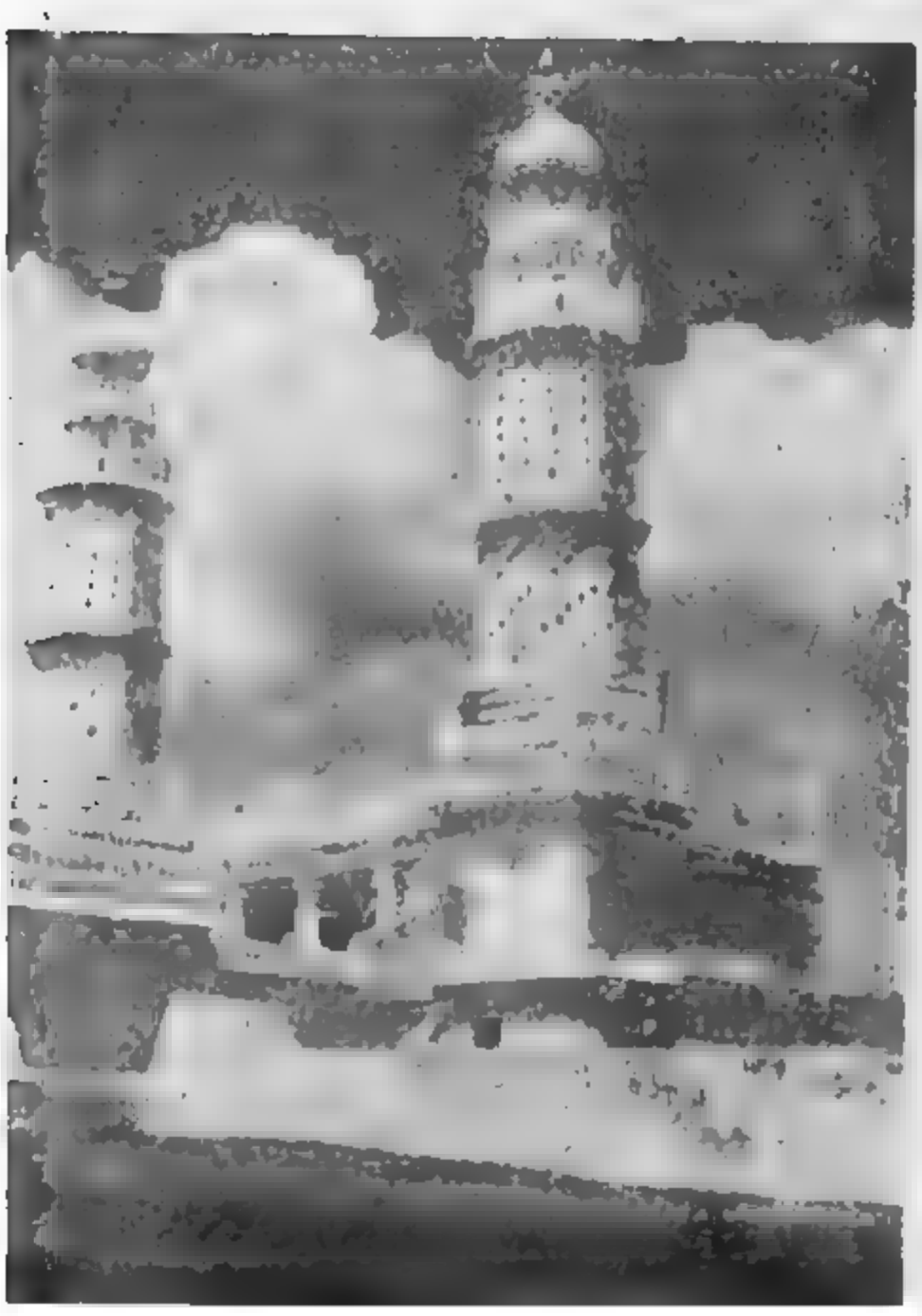

حسین آباد امام باڑہ لکھنؤ میں محرم کے موقع پر چراغاں

جامع مسجد مرزا پٹنہ

←

بلند دروازہ فتح پور سیکری

جامع مسجد سرینگر

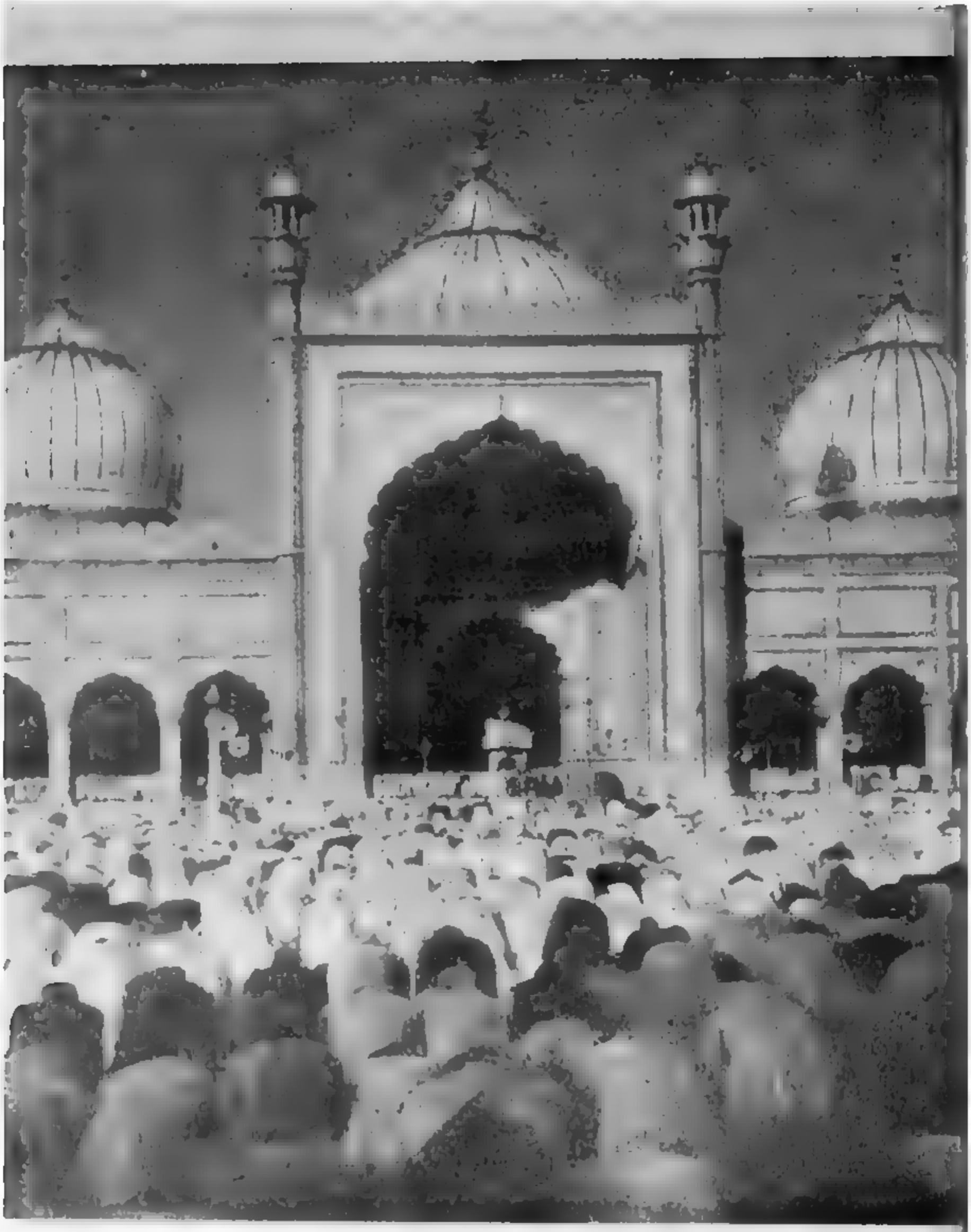

عید کے موقع پر جامع مسجد دہلی میں نماز

روزہ افطار کرنے سے پہلے ڈاکٹر ذاکر حسین اور اُن کے مہمان نماز ادا کر رہے ہیں

(نیچے) دہلی میں محرم

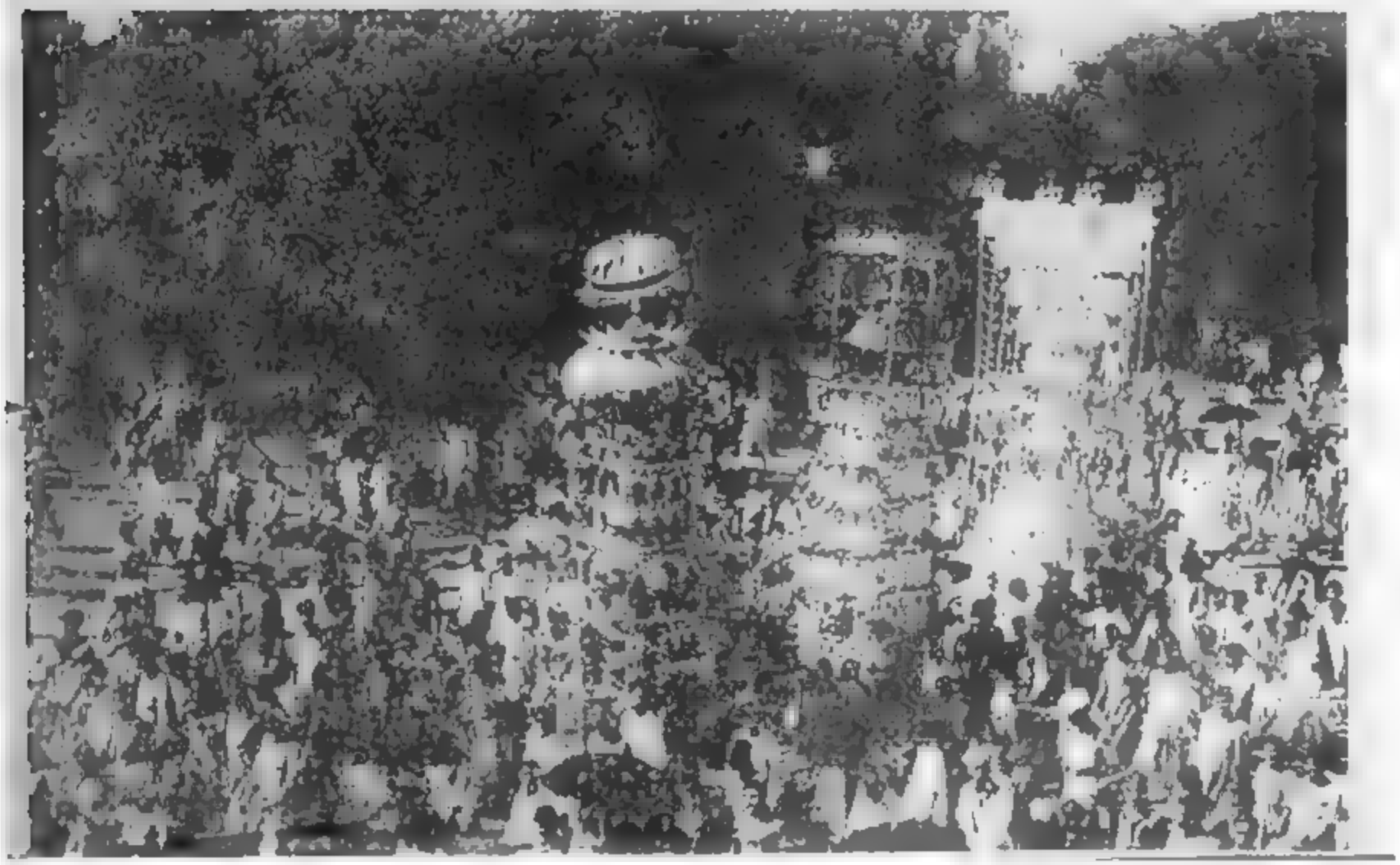

گول گنبد بیجاپور

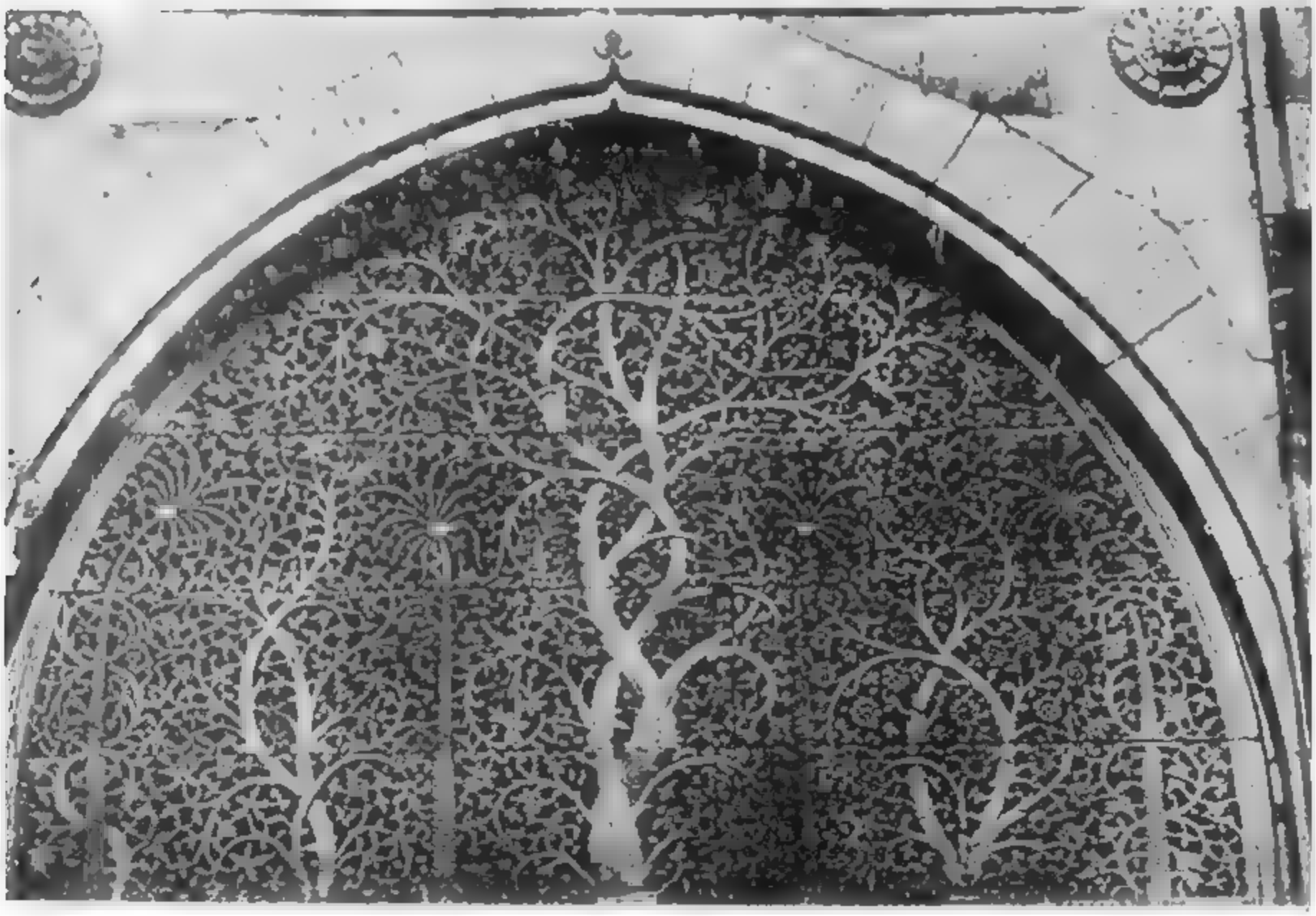

سیدی سعید مسجد احمد آباد

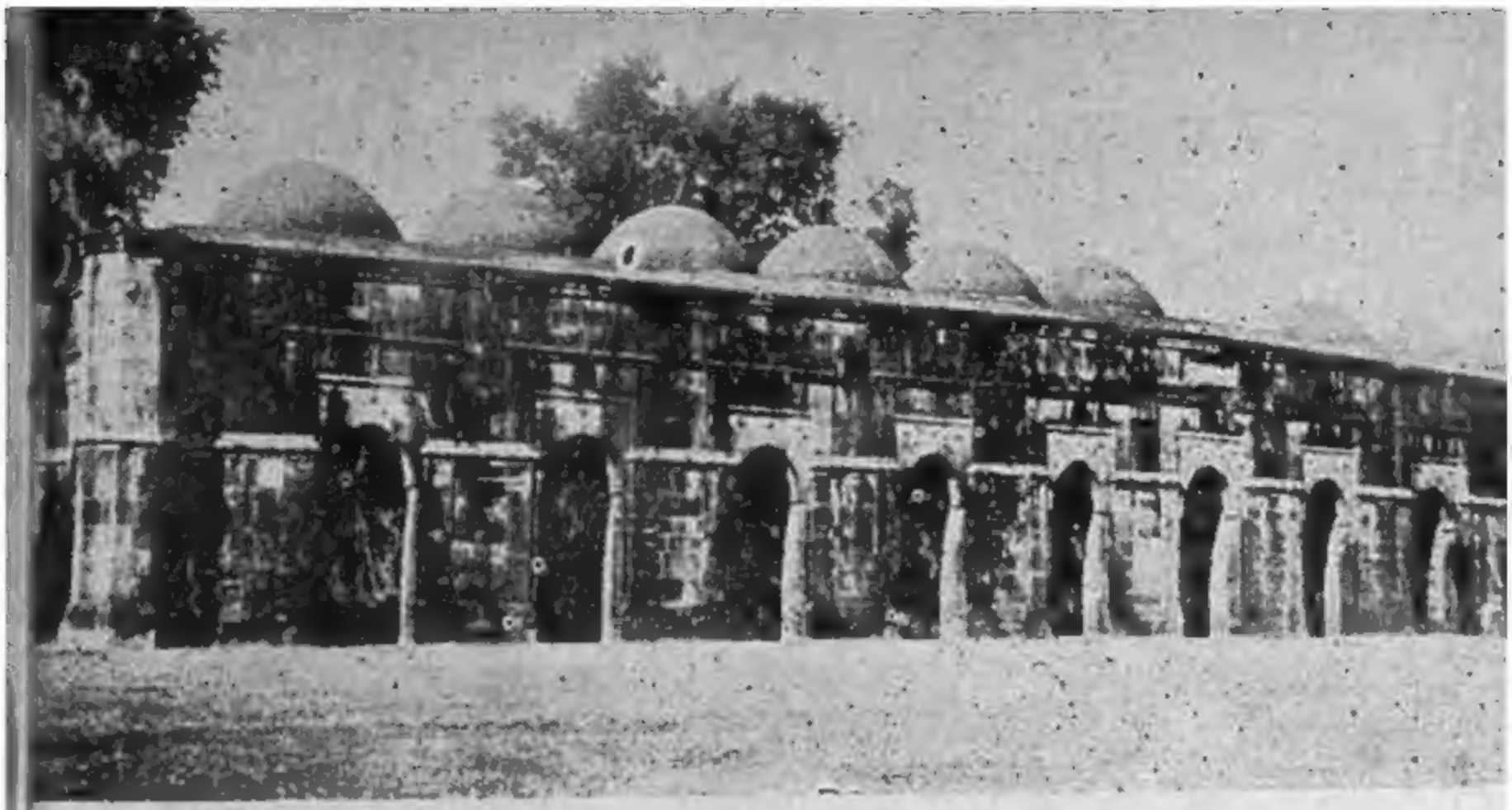

بڑا سونا مسجد گوڑ بنگال

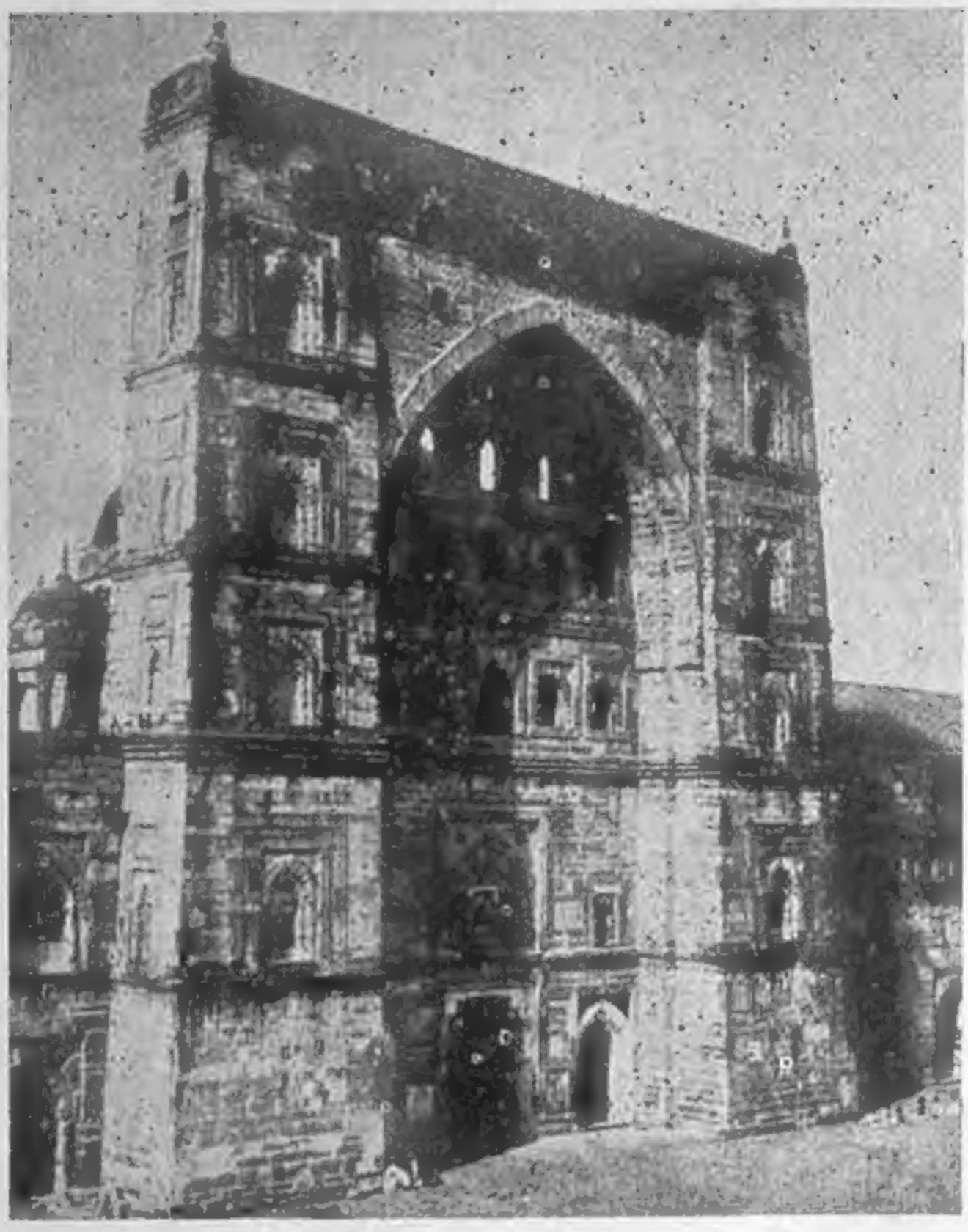

جامع مسجد جون

دہلی میں عرس امیر خسرو

عرس نظام الدین کے موقع پر قوالی

درگاہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیر میں زائرین

پبلیکیشنز ڈویژن
وزارتِ اطلاعات و نشریات
حکومتِ ہند